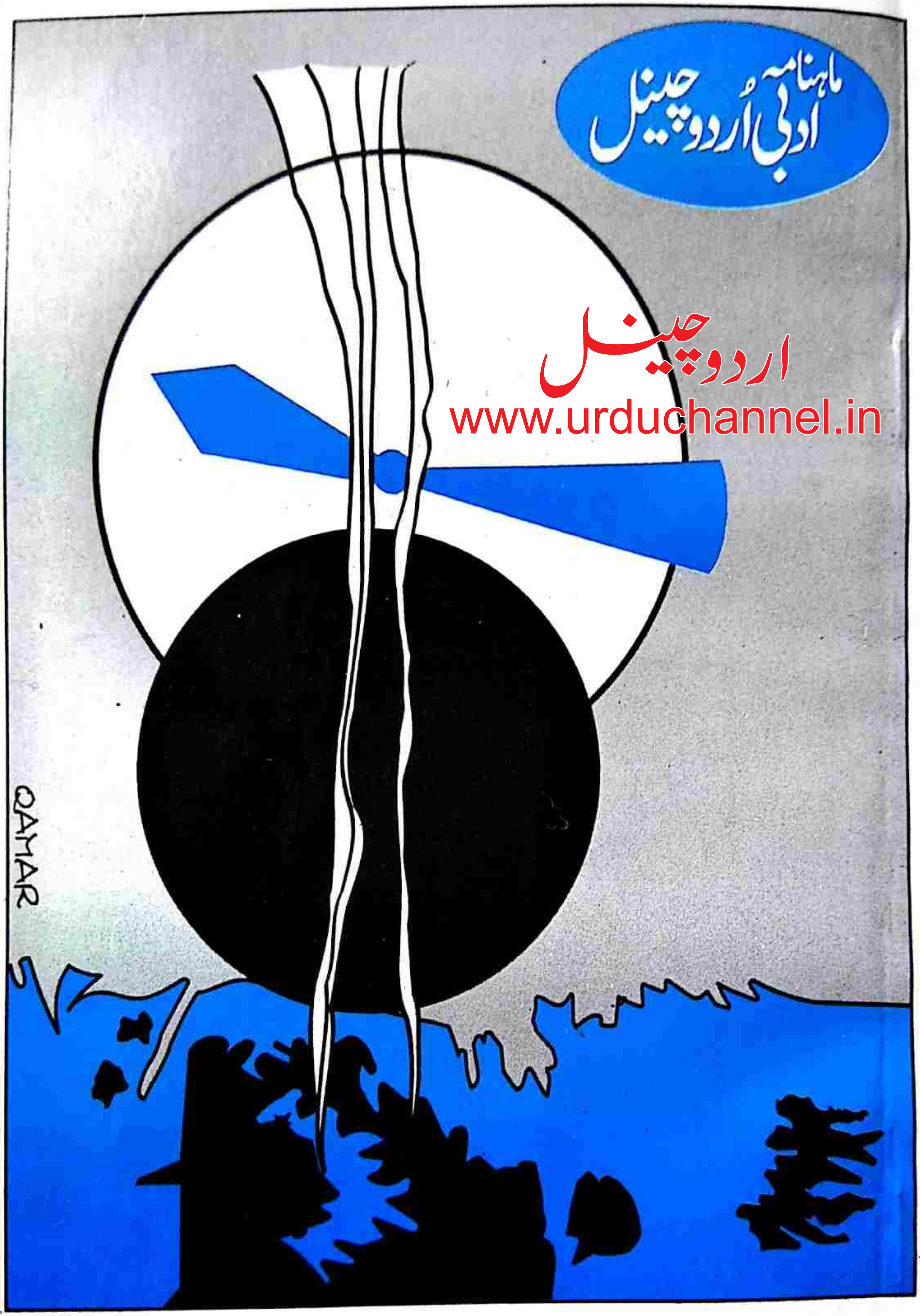

اردو چینل
www.urduchannel.in

monthly

ADABI URDU CHANNEL

Rs. 5/-

آغاز

○ علامہ سیماب اکبر آبادی

حضرت علامہ سیماب اکبر آبادی کا شمار اساتذہ سخن میں ہوتا ہے نظم و نثر دونوں ہی میں انھیں کمال حاصل تھا تین سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ ہندو پاک میں ان کے شاگردوں کی تعداد ساڑھے تین ہزار تک تھی۔ علامہ سیماب کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم کارنامہ "قرآن مجید" کا اُردو میں منظوم ترجمہ بنام "وحیِ منظوم" ہے۔ اُردو میں یہ پہلا مکمل اور کامیاب منظوم ترجمہ ہے یہ اُن کا بلند پایہ شاعری کا ایک بین ثبوت اور ان کی قادر الکلامی، عروج فن اور قرآن مجید پر عبور کی دلیل ہے۔

سورۃ فاتحہ کا منظوم ترجمہ

نام سے اللہ کے کرتا ہوں آغازِ (بیاں)
جو بڑا ہی رحم والا ہے، نہایت مہرباں
ہیں سزا وارِ خدائے (پاک) ساری خوبیاں
(جو ہے) رب سارے جہانوں کا، رحیم و مہرباں
ہے وہی انصاف کے دن کا بھی مالک (بے گماں)
(یاالٰہی) ہم فقط کرتے ہیں تیری بندگی
اور ہوتے ہیں تجھی سے طالب امداد بھی
(یاالٰہی) ہم کو سیدھے راستے پر تو چلا
اُن کا رستہ، جن پر انعام (وکرم) تیرا ہوا
راستہ اُن کا نہیں، جن پر غضب (کی) ہے (نگاہ)
اور نہ ان کا راستہ، جو ہوگئے گم کردہ راہ

www.urduchannel.in

ادبی ماہنامہ

اردو کاؤنسل کا

اُردو چینل

ادبی

کتابی سلسلہ

سرپرست: **عبدالنبی عزیزی**

مدیران: **عبید اعظم اعظمی**

قمر صدیقی

سرورق: **قمر صدیقی**

فی شمارہ: ۵ روپے سالانہ :۵۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ :

ماہنامہ ادبی اردو چینل

۱۲۱۳ر گیانن کالونی، گوونڈی، ممبئی ۴۰۰۰۴۳

فون: 5577863 - 5587860

فیکس: 6140621

email: rehman shaikh @hotmail. com

رفقائے

اردو چینل:

سید ذیشان احمد

وحید اختر انصاری

خالد صدیقی

ایم اسلم

التمش رشید

شہرام سرمدی

جولائی ۱۹۹۹ء

www.urduchannel.in

ایڈیٹر **قمر صدیقی** پرنٹر پبلشر **شمس قمر صدیقی** مالک **سید علی** نے **شاہین پبلیکیشنز** سے چھپوا کر دفتر اردو چینل سے شائع کیا

www.urduchannel.in

بحث 3

☆ نئی نسل اور سیکھنے کی ضرورت.....
☆ قمر صدیقی ☆ عبدالنبی عزیزی

منظر/پس منظر 6

☆ ادبی تجربے کی معنویت.......
☆ قاضی افضال حسین ☆ سلیم شہزاد

اسلامیات 11

اسلام اور جدید فکر.......☆ قمر صدیقی

رباعیات 14

☆ شمس الرحمٰن فاروقی

منتخب افسانہ 15

جے شری رام ☆ جوگندر پال

غزلیں 19

ظفر اقبال ظفر، شرون کمار ورما، زبیر شفائی، مدہوش بلگرامی، ساجد حمید، خالد عبادی، حامد اقبال، اختر جمال، اسلم غازی، جمال اویسی، رئیس الدین رئیس، مظفر اعظمی، عدیم برہانپور، رؤف خیر، شجاع الدین شاہد، نصرت ساجد، حباب ہاشمی، نفیس بانو شمع، حنا انجم، نثار احمد نثار۔

علم عروض 29

☆ عبید اعظم اعظمی

کلاسک 31

منتخب افسانہ 32

تیسرا پتھر ....☆ عبدالعزیز خان

نظمیں 35

راجندر بہادر موج، بھگوان داس اعجاز، ڈاکٹر نریش فراغ روہوی، شہاب اختر

کلچر 39

☆ سٹیلائیٹ چینل کا دروازہ کھلتا ہے......
قمر صدیقی

دھنک رنگ 41

خطوط 42

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

بحث

٭ قمر صدیقی

نئی نسل اور سیکھنے کی ضرورت کا احساس

بلکہ جب ہمارے اساتذہ کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا استاد میسر آجائے جو میر و غالب یا اقبال کے مشہور اشعار کو کسی تغیر و تبدلیا الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے بغیر سنانے پر قادر ہوتو ایسے میں نوجوانوں پر فنی نا پختگی کا الزام کوئی کس منہ سے دھرے گا۔

بر صغیر ہندوپاک میں صنعتی اور مشینی انقلاب ، سماجی اور مذہبی اقدار کی پامالی، خاندانی، سماجی اور انسانی رشتوں کی توڑ پھوڑ، انتشار اور بکھراؤ کے ساتھ داخل ہوا۔ آج اخبارات و رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن فلم سے ہوتے ہوئے یہ انقلاب کمپیوٹر اور سیارہ جاتی انقلاب کی بدولت انٹرنیٹ، سائبر اسپیس اطلاعاتی شاہراہ کی حدوں کو چھورہا ہے۔ ۱۹۴۵ میں دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر سوویت یونین، یورپ، جاپان، امریکہ میں شروع ہوئی۔ ترقی کے اس دوڑ سے بر صغیر ہندوپاک محفوظ تھے مگر آج بر صغیر ہندوپاک میں بھی الیکٹرونک میڈیا کے فروغ کے باعث اندھی اور بے لگام صارفیت کی ڈھلان پر ہونے والی 'چوہادوڑ' شروع ہو گئی ہے۔ لہٰذا آج ہمارے یہاں بھی انسانی رشتے ہوں یا کولگیٹ ٹوتھ پیسٹ ہر چیز مارکیٹ پروڈکٹ ہے۔ آج کی اس مارکیٹنگ عہد میں پروان چڑھی نوجوان نسل اپنے اطراف کی برق رفتاری کے باعث نہ صرف پریشانی سے دوچار ہے بلکہ یہ نسل ایک ہی دن میں کئی ایام جینے کی اذیت میں مبتلا بھی۔ مابعد جدیدیت کی اس تہذیبی یورش کے ساتھ ہی ساتھ بر صغیر ہندوپاک استعماری غلبے سے بظاہر آزادی کے بعد بھی فرار حاصل نہ کر سکے۔ استعمار کا عمل دخل کسی نہ کسی طور پر یہاں موجود رہا۔ سیاسی استعمار کی بجائے معاشی استعمار، اور تہذیبی استعمار، فکری اور نظریاتی استعمار گویا ہم لوگوں کو ایک ایسے بے آب و گیاہ صحرا کا سفر درپیش ہے جسے خود استعماریت (Self Colonization) کہتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں جس کا ادب کی تخلیق اور ترویج دونوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہ تو محسوس کیا گیا کہ استعماری دور کے نظام تعلیم میں آزادی کے بعد تبدیلی لانی چاہیے۔ مگر زیادہ تر تبدیلیاں جو روا رکھی گئیں وہ یا تو بے ضرورت تھیں یا محض ظاہری۔ لہٰذا تعلیم کے روزمرہ وظائف یعنی درس و تدریس، تربیت اساتذہ، نصابی کتب کی

زبانوں اور علوم بشری کے چلتے دریافتوں سائنسی نئی نئی پھر اور تھا لازمی ہونا متاثر معیار کا ارزیابی کی اہلیتوں اور تیاری کی تعلیم سے معاشرے کی توجہ بالکل ہٹ گئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تیسری دنیا کے دیگر ممالک کی طرح برصغیر ہندوپاک میں بھی آزادی کے بعد نہ غیر ملکی زبانوں میں تحصیل کا معیار قائم رہ سکا نہ ملکی اور قومی زبانوں کی طرف کوئی توجہ دی جاسکی۔ اسی طرح نئی نسل کے طلبہ میں اپنے تہذیبی سرمایے کی طرف رغبت میں بھی کوئی دلچسپی یا گہرائی نہ پیدا کی جاسکی۔

رسمی تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں میں تہذیبی سرمایے کی طرف رغبت پیدا کرنے میں رسمی تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ غیر رسمی تعلیمی ادارے میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہر زندہ معاشرہ اپنے اندر کچھ ایسے تہذیبی اداروں کا وجود رکھتا ہے جو اگر براہ راست نہیں تو بالراست ادب کی غیر رسمی تعلیم فراہم کرتے رہتے ہیں۔ ادب کے غیر رسمی تعلیم کے یہ ذرائع نہ صرف تہذیبی سطح پر بہت کار آمد ہوتے ہیں بلکہ زبان و ادب کے ارتقاء میں ان کی حیثیت اساسی ہوتی ہے۔ مثلاً جب استادی شاگردی کا ادارہ اٹھارویں صدی کی دہلی میں شروع ہوا تو بہت جلد ہی اسے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی اور آگے چل کر اس ادارے کی اہمیت اتنی بڑھی کہ کسی شاعر کی خوبی کا ایک معیار یہ بھی بن گیا کہ وہ کس شاعر کا شاگرد ہے مگر آج کے اس سٹلائیٹ عہد میں ادب کی غیر رسمی تعلیم کے یہ ذرائع یا تو مفقود ہوگئے ہیں یا تہذیبی سطح پر غیر موثر بنا دیئے گئے ہیں۔ محفلیں، اجتماعی سرگرمیاں، ادیبوں اور فنکاروں کا عام لوگوں سے میل جول آپسی ربط ضبط کے مواقع نو واردانِ ادب کا بزرگانِ ادب سے مکالمہ اور سب سے بڑھ کر برصغیر ہندوپاک کی تہذیب کا منفرد ادارہ یعنی مشاعرے آج ہماری زندگی سے پوری طرح رخصت نہیں ہوئے تو نظروں سے او جھل ضرور ہوگئے ہیں۔ مشاعروں کا اہتمام البتہ گاہے گاہے نظر آجاتا ہے لیکن شاید کسی کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہمارے مشاعروں کا معیار کیا ہو کر رہ گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بھانڈ اور شاعروں میں تفریق کرنے والے لوگ اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ رہا سوال نوجوانوں میں تہذیبی سرمایے کی طرف رغبت پیدا کرنے کے تعلق سے رسمی تعلیمی اداروں کے رول کا' تو ان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ اس خلا کو پر کرنے کے لیے ان کی طرف سے کسی پہل کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا بلکہ جب ہمارے اساتذہ کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا استاد میسر آجائے جو میر و غالب یا اقبال کے مشہور اشعار کو کسی تغیر و تبدل یا الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے بغیر سنانے پر قادر ہو تو ایسے میں نوجوانوں پر فنی ناپختگی کا الزام کوئی کس منہ سے دھرے گا۔

⊙⊙⊙

بحث

○عبدالنبی عزیزی

نوجوان صحافی عبدالنبی عزیزی کی رائے ہے کہ نئی نسل کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ لکھنے کے لئے پڑھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ بولنے کے لئے سننا.

آزادی سے قبل پڑھنے لکھنے کی جو صورتِ حال تھی اس کو ٹیلی ویژن کی آمد کے بعد پہلی ضرب لگی۔ پھر سیٹلائیٹ چینلوں کی یلغار نے تو ایسا لگتا ہے کہ پڑھنے لکھنے کے عمل کا خاتمہ ہی کر دیا ہے بلاشبہ یہ پرنٹ میڈیا کے لئے خاصہ بحرانی دور ہے۔ حالانکہ آزادی کے بعد نشر واشاعت کے وسائل میں خاصی توسیع ہوئی ہے لیکن توسیع کے ساتھ اتنی ہی یا زیادہ تحدید بھی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہندستان وپاکستان میں ادب اور دوسرے فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کے لئے بہت سے ادارے رسمی طور پر قائم کیے گئے ہیں ان کی کوئی سیاسی افادیت ہو تو ہو لیکن تہذیبی میدان میں ان کے وجود اور کارکردگی سے کیا فرق پڑا ہے؟ کم از کم اردو ادب کی تخلیق کے سلسلے میں تو ان کے ریکارڈ سے ہر کوئی واقف ہے۔

یہ نسل بھی ترقی پسندوں کی طرح اسٹیبلشمنٹ کی لذت کی شکار ہوتی جا رہی ہے۔

جہاں تک نوجوان نسل کا تعلق ہے تو میں یہ بہت سنجیدگی سے محسوس کرتا ہوں کہ یہ نسل بھی ترقی پسندوں کی طرح اسٹیبلشمنٹ کی لذت کی شکار ہوتی جارہی ہے۔ سیٹلائیٹ چینلوں کی چمک دھمک اور پرائیوٹ البموں کی شہرت نے شاید اس نسل میں بھی مشہور ہونے کی ہوس کو جگادیا ہے۔ اور آج کے اس سیٹلائیٹ عہد میں ان کی یہ خواہش کچھ حد تک جائز بھی، مگر نئی نسل کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ لکھنے کے لیے پڑھنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ بولنے کے لیے سننا۔ پڑھنا اور اچھی چیزیں پڑھنا بلکہ بعض اوقات جو مل جائے وہ پڑھنا لکھنے کے لیے مہمیز Motivation کا کام کرتا ہے۔

○ قاضی افضال حسین

ادبی تجربے کی معنویت

عصری صداقتوں کے حوالے سے شعر کی تقدیر پر اصرار، شعر کی ماہیت کے متعلق مروجہ تصورات کا لازمی نتیجہ ہے۔ فکر و زبان کے صیغوں میں تقسیم کرتے ہوئے ہمارے تنقید نگاروں نے غیر دانستہ طور پر شعر کو علم و حکمت اور لطف و انبساط کے دو متخالف تصورات سے منسلک کر دیا ہے، شعر حکمت ہے تو اجتماع کا مشترک سرمایہ ہے اور اگر ذریعہ لطف و انبساط ہے تو ایک داخلی انفرادی تجربہ پہلی صورت میں فن ثانوی حیثیت اور دوسری صورت میں صناعی اولیت حاصل کر لیتی ہے۔

کسی حقیقی تضاد کی عدم موجودگی کے باوجود شعر کے متعلق یہ دونوں نظریات ایک دوسرے کی ضو کی حیثیت سے اب تک دہرائے جاتے رہے ہیں۔ جدید تر تنقیدی نظریات نے موضوع و زبان کی اس تقسیم کے علی الرغم اسے تجربے کے وحدت کے حوالے سے INTERPRET کرتے ہوئے بقول HAROLD OSBORN اپنی انتہا کو پہنچا دیا ہے۔ سو قاری کی حیثیت سے ہمارا تجربہ لفظا ہے کہ شعر میں لفظ کی تعبیر ہم پر تجربے کی وہ UNITS منکشف کرتی ہے جو لسانی نظام کی اساس ہے۔ چنانچہ تجربے کی صداقت یا عدم صداقت پر عمرانیات و فلسفہ سے جواز مہیا کرنے کے بجائے اس لسانی نظام پر ارتقاء ضروری ہے، جسے تجربہ تشکیل دیتا ہے۔ موضوع اور مدلول کے یہ وحدت حقیقی اور غیر حقیقی شاعری کے درمیان امتیاز کا پیمانہ بھی ہے۔ کسی بھی عہد کی شاعری کا محاکمہ اظہار کی اس وحدت کے حوالے سے کیا جانا چاہئے۔ اب اگر ترقی پسند شاعری تجربے کی سچائی کے باوجود اچھی شاعری کے نمونے خال خال ہی پیش کر سکتی تو اس کا سبب محض عجز اظہار نہیں بلکہ عمرانی صداقت اور شعری صداقت کے درمیان امتیاز قائم کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہے عمرانی صداقتیں اجتماع کا تجربہ ہیں، تخلیقی تجربہ شخصی و انفرادی ہے۔ اجتماع کے تجربات اپنے اظہار کے لئے جو زبان منتخب کرتے ہیں، وہ ترسیل مدعا کے لئے استعمال کی جانے والی مشترک زبان ہے، جس کی ضرورت مدعا کی ترسیل کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے ہے، تخلیقی تجربہ اپنے اظہار کے لئے اس انفرادیت کی مناسبت سے ایک انوکھی زبان خلق کرتا ہے جو قائم بالذات ہوتی ہے اجتماعی تجربات کے اظہار کی زبان اپنے اوصاف کے اعتبار سے "اکہری" ہوتی ہے جب کہ تخلیقی زبان شاعر کی ذات کی گہرائیوں سے نمو کرتی اور تخلیقی تجربے کی مناسبت سے کثیر الجہات ہوتی

www.urduchannel.in

ہے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ عمرانی صداقت کی تخلیقی تجربے میں تقلیب کے بغیر اسے ایک کثیر الجہات اور قائم بالذات فن پارے کی شکل دی جاسکے۔ ترقی شعراء ایسا کر بھی نہیں سکے۔ اور اگر ثروت حسین منیر نیاز کے شعر۔

ہے باب شہر مردہ گزر گاہ باد شام
میں چپ ہوں اس جگہ کی گرانی کو دیکھ کر

پڑھتے ہوئے اپنے زمانے کے علاوہ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار کا عکس بھی اس میں دیکھتے ہیں تو صرف اس لئے نہیں کہ بغداد کے کھنڈر اس کی گواہی دیتے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ شعر کی بازیافت تجربے کے ان ابعاد کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ منیر نیازی کے یہاں تخلیقی تجربے کا یہ وصف کہ وہ بیک وقت مختلف زمانوں پر محیط ہوتا ہے بہت انوکھا ہے۔ غزل کے مفرد اشعار سے قطع نظر ان کی نظموں میں بھی اکثر، نظم دو مختلف زمانوں کی سطح متحرک دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ جنگ کے سائے میں جنت ارضی کا خواب کی گلدم کہ خیال کا استعارہ ہے۔ دو مختلف زمانوں میں نغمہ سرائے۔ کبھی جامن کی شاخوں پر ۔ بھی فرش زمرد پر

یہ گلدم گا رہی ہے راگنی عہد محبت کی۔

"فرش زمرد" اور جامن کی شاخیں" دو مختلف تہذیبی صورت حال کا اشاریہ ہیں اور ان پر بیک وقت عہد محبت کا کی راگنی گائی جارہی ہے۔ تحیر آمیز مسرت کی فضا میں..... جو پوری نظم میں جاری ہے۔ یہ گلدم، حویلی کے شجر پر ایک کے بجائے کئی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

حویلی کے شجر پر شور چڑیوں کے چہکنے کا

یہ شور بیک وقت گاؤں کے مہکتے جنگلوں کو محسوس تجربے میں تبدیل کرنے کے ساتھ ہی ان سے وابستہ کسی عہد رفتہ (عہد محبت) کی باز طلبی بھی کرتا ہے اور نظم ایک منظر نامے کے بیان کے ساتھ ہی شخصی تجربے کی بازیافت کا وسیلہ بھی بن جاتی ہے۔

اس وقت نظم کی کوئی توضیح مقصود نہیں۔ کہنا یہ ہے کہ عصری صداقتیں براہ راست شعر کا موضوع نہیں ہوتیں بلکہ وہ شخص تجربہ ہوتا ہے جو ان صداقتوں کی تقلیب کے نتیجہ میں نمو کرتا ہے اور اپنی نوعیت کی مناسبت سے منفرد لسانی نظام کی تشکیل کرتا ہے۔ شاعر کے تجربات کی صداقت کا محاکمہ اسی لسانی نظام کی جانچ سے شروع ہوگا کہ یہ اس گنجینہ معنی کی کلید ہے۔

فلسفی یا ماہر عمرانیات کھڑا کر دیتا ہے۔ اپنی تفتیش کا آغاز کی درجہ بندی سے کرتا ہے اور اس عمل میں حسن اکبر کمال اور احمد مشتاق کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے کہ دونوں کے یہاں تجربے کی بعض جہات میں یکسانیت ممکن ہے اور وہ اس اشتراک کے باوجود احساس کی سطح پر ان دنوں کے امتیازات نمایاں کرنے پر قادر نہیں۔ اگر نئے ادب کے بیشتر محاکموں میں تجربے کی عصریت اور صداقت کے فقدان کا شور ہے تو یہ ادب سے زیادہ تبصرہ نگاروں میں اس صلاحیت

www.urduchannel.in

کی کمی کے سبب ہے جو رطب ویابس کے درمیان امتیاز قائم کر سکتے۔ وہ ان امتیازات کی نشاندہی کرنے کے بجائے بیشتر موضوعات کی درجہ بندی کرتے ہوئے عمومی فیصلے صادر کرتے ہیں۔ اچھی شاعری اسی نوع کی موضوعاتی تقسیم کو RESIST کرتی اور بیشتر صورتوں میں استقرائی توضیحات کی نفی کرتی ہے۔ شعر کی توضیح کے اصول خود اس کی بافت میں شامل ہوتے ہیں اس لئے صرف یہ ماہرین ہی اس کے حسن و قبح پر فیصلے نہیں کرتے، شاعری بھی ان کے ذوق، ذہانت کا امتحان لیتی ہے۔ راشد پر حیات اللہ انصاری اور میراجی کے تبصروں کا فرق اس اجمال کی تفصیل پیش کرتا ہے۔

چنانچہ نئی شاعری میں تخلیقی تجربے کی معنویت پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے خود تجربے کی نوعیت پر غور کرنا چاہئے کہ یہ عصری صداقتوں کا انعکاس محض نہیں بلکہ شاعر کی اپنی شخصیت کے حوالے سے تخلیقی تقلیب کا ایک پراسرار عمل ہے۔ جس کی تفہیم کے حوالے فلسفے یا عمرانیات سے مستعار ہونے کے بجائے خود شعر کی بافت سے نمو GROW کرتے ہیں۔

نوجوان شاعر شہاب اختر کا پہلا شعری مجموعہ

طلوع

اشاعت کے مرحلے میں

رابطہ: کلکتہ کلاتھ اسٹور کپڑا پٹی جھریا، دھنباد، بہار: 828111

سعید الظفر وسیم کے شعری مجموعہ

"ریگ رواں" کا مجلہ

قیمت -/75 روپئے

پیشکش: ساہتیہ سبھا 760 سوانی

فتح پور 212801

نئی نسل کے اہم شاعر ساجد حمید کا

شعری مجموعہ

نکہت رقصاں

قیمت: 50 روپئے

رابطہ: (1) ماڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی

(۲) ذہن جدید پوسٹ باکس نمبر 9789

○ سلیم شہزاد

ادبی تجربے کی معنویت

ادبی تجربے کی معنویت کا تعین اس کے زمانی تناظر یعنی قدامات اور جدت کے پیش نظر نہیں کیا جاتا۔ ادبی تجربہ جسے میں ادبی اظہار کے لئے نئے اسلوب اور نئی تکنیک کو بروئے کار لانا ادب کے مروجہ اصولوں اور تقاضوں سے انحراف کر کے اظہار کے نئے اسالیب کی اختراع تصور کرتا ہوں، اپنی معنویت فن کی خوش سلیقہ پیش کش، ادبی اقدار و روایات سے اپنی پیوستگی اور اظہار کے عصری مطالبات کی تکمیل سے حاصل کرتا ہے۔ اس خیال کے پس منظر میں جائزہ لیں تو معنویت کا زمانی تناظر اضافی حیثیت کا حامل نظر آتا ہے چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ ادبی تجربہ اگر ان مذکورہ بالا عوامل کو مد نظر رکھ کیا گیا ہو تو اس کی معنویت کا کیف و کم ہر عہد میں تازہ کار اور بر قرار رہے گا۔ اس کی اہمیت و افادیت مسلم رہے گی اور وہ تجربہ چاہے روایتی صنف مثنوی ہی میں کیوں نہ ہو اگر اظہار کے عصری مطالبات کی تکمیل کرتا ہوا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس صنف کے متروک ہونے کا احتمال بھی پیدا ہو سکے۔

ادبی تجربے کی زمانی لامحدودیت کے اسی تصور کو تجربے کی صداقت، اسکے بطلان، اس کی ترویج میں فنکاروں کی خبط پسندی یا فیشن پسندی اور زندگی اور کائناتی حقائق سے ادبی تجربے کی رشتگی کے تصورات پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے۔ ادب چونکہ زندگی کا آئینہ دار ہے اس لئے ظاہر ہے اس کے اظہارات کے اسالیب بھی زندہ، توانا اور محسوس و مدرک ہوں گے۔ اپنی حرکی اور نامیاتی خصوصیات کے سبب وہ فنکار کے ہر شعری یا ادبی تجربے کو جو وہ زندگی سے اخذ کرتا ہے، اپنی خارجی ہستیوں میں سمولینے کے اہل ہوتے اور اپنی داخلی ساخت و بافت کے توسط سے زندگی سے ماخوذ تجربے کی ترسیل کرتے ہیں اور کسی اظہار یا ہیت کے تجربے کے وسیلے سے اگر فنکار اپنے مافیہ کو قاری یا سامع تک پہنچا کر مافیہ کے ابلاغ میں بھی کامیاب ہے تو تجربے کی صداقت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی اور اس نوعیت کے کسی بھی تجربے کے تعلق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ تجربہ بذات خود ایک ادبی قدر یا روایت کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے کے قابل ہے۔

فنکارانہ نے خبط اور فنی کج فہمی کے اظہار کے لئے کئے جانے والے تمام ظاہری و باطنی تجربات اپنا بطلان آپ ہوتے ہیں یہ اپنی ظاہری تراش خراش سے ہمیں متوجہ کرتے ہیں، چونکاتے ہیں اور ہفتے عشرے میں ماند پڑ جاتے ہے۔

www.urduchannel.in

انتہا پسند جدیدیت کے نام پر ایسے بے شمار لغو اور بے معنی تجربات کیے گئے ہیں اور بالتوفیق اب بھی کیے جا رہے ہیں ایسے سارے تجربات کا زور اظہار فن کی جہتوں تک محدود ہے۔ ہیئت کے تجربات بھی مستحسن ضرور ہوتے ہیں۔ مگر اظہار کے تجربات کے مقابل ان کا استحسان کمتر درجے کو ہوتا ہے۔

ادبی تجربے کے تعلق سے اپنے ان خیالات کو میں خاصی وسعتوں پر حاوی سمجھتا ہوں کیونکہ ان میں تخصیص و تحدید کی بجائے تعمیم و توسیع کی خصوصیات موجود ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جدید ادب میں جو تجربات کیے گئے اور کیے جا رہے ہیں۔ وہ کتنے سچے کتنے جھوٹے اور کس حد تک زندگی کی سچائیوں کو مخلصانہ طور پر پیش کرنے والے ہیں تو میں سمجھتا ہوں اگر جدید ادبی تجربات مغربی ادب کی نقالی میں محض ہیتی کرتب بازی لسانی تشکیل کے نام پر زبان کی غیر ضروری شکست و ریخت اور بے معنویت کی تبلیغ کرتے ہوں تو ان کی زندگی بے اعتبار ہے، انھیں روایات کا استحکام نہیں مل سکتا۔ لیکن اس کے برعکس، مغرب کی پیروی ہی میں سہی، جدیدیت میں جن ادبی تجربات سے عصری زندگی کے نشیب و فراز، سرد و گرم، کذب و صدق اور حسن و قبح کا پر خلوص فنکارانہ اظہار کیا گیا اور کیا جا رہا ہے اور جو نئے تجربات ہمیں عصری زندگی کا سچا ادراک مہیا کر رہے ہوں ان کی قدر و اہمیت تسلیم نہ کرنا ادبی گناہ کے مترادف ہے۔

ترتیب: شمس الرحمٰن فاروقی

شب خون

ایک عہد ساز رسالہ

رابطہ: پوسٹ باکس 13 الہ آباد 211003

حاجی انیس دہلوی کی ادارت میں

ہر ماہ شائع ہوتا ہے

ماہنامہ فلمی ستارے

2936 رہبر کار نزد ترکمان گیٹ دہلی

ماہنامہ قرطاس

احباب اردو اکادمی ناگپور کا ترجمان

رابطہ: قدوائی روڈ مومن پورہ

ناگپور 440018

www.urduchannel.in

○ قمر صدیقی

اسلام اور جدید فکر

مذہب انسانی زندگی کے فکر و عمل اور خالقِ کائنات کے بیچ رابطے کا ذریعہ ہے اور عین حکمِ الٰہی ہے جبکہ جدید فکر کا تعلق صرف انسان اور آج کے ماحول کو مدِ نظر رکھیں تو ابتر ترین انسان سے ہے اور جس کا ماورائی حقیقتِ اولیٰ سے کوئی رشتہ باقی نہیں ہے چنانچہ ہم مسلمانوں کی نظر میں جدید فکر مذہب سے متضاد چیز ہے۔

جدید فکر کا تمام تنوع جو سائنس سے لے کر فلسفے طبیعات بلکہ کسی حد تک مذہبیات تک پھیلا ہوا ہے۔اس کا اولین ماخذ یورپ کا نشاۃالثانیہ اور اس کے بعد کے پانچ مغربی دانشور نکولو میکیاولی، چارلس ڈراون، کارل مارکس، نٹشے، سگمنڈ فرائڈ ہیں۔اس نشاۃالثانیہ اور ان دانشوروں نے جن رجحانات کو جنم دیا تھا اس سے جہاں جدید ٹکنولوجی کو تقویت ملی وہیں جدید انسان کی زندگی شدید منضبط، بے رحم اور باہر سے جکڑتی چلی گئی اس لئے آج کا انسان اپنے اطراف کی برق رفتاری سے نہ صرف تنگ ہے بلکہ ایک ہی دن کے اندر کئی ایام جینے کی اذیت میں مبتلا بھی ہے۔

روایت عہدِ قدیم سے ہی انسانی زندگی کا حصہ رہی ہے جبکہ جدیدیت ماضی قریب کا تازہ ترین حادثہ ہے۔ ہزاروں سال سے ہمارے آبا اپنے مردوں کو دفن کرتے آرہے ہیں اور ہمارے اجداد بعد از موت زندگی اور عالمِ روحانی کے قائل رہے ہیں۔ہزاروں سال کے اس طویل خدا پرستی اور اپنے آپ کو اس زمین پر خدا کا نمائندہ سمجھنے کی لمبی تاریخ کے مقابلے میں جدیدیت کا پندرھویں صدی عیسوی (یعنی یورپ میں نشاۃالثانیہ کے بعد) سے اب تک کا سفر نہ صرف مختصر بلکہ ایک پلک جھپکنے بھر کا محسوس ہوتا ہے۔ بہر حال اس برق رفتار دور میں زندگی جینا ہمارا مقدر ہے۔جہاں جدید فکر کی عمل داری ہے اور بہت سے مسلمان اس سے مغلوب ہو کر ایک سطحی خوشی کی خاطر اس دھارے میں شامل بھی ہو گئے ہیں۔

جدید فکر کا اول اور بنیادی تصور جس کی طرف سب سے پہلے دھیان جاتا ہے وہ جدید ذہن کا اپنے خالق کی بشری تجسیم (یعنی خالقِ کائنات کو انسان کے روپ میں دیکھنے) کا رجحان ہے۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے پاس

انسان سے بالاتر کوئی ماڈل یا تصور ہی نہ ہو وہ اس کے سوا سوچ بھی کیا سکتے۔ بادی النظر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ جدید ترین سائنس کا ایسا رجحان نہیں ہے لیکن یہ بات غلط ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ سائنس کے جدید تصور میں انسان کی بحیثیت روح و دماغ کوئی جگہ نہیں ہے۔ جدید سائنس کے نزدیک کائنات غیر انسانی ہے اور انسان پن سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے لیکن کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ تمام علم و اصول جو یہ فیصلہ صادر کرتے ہیں بذاتِ خود انسانی ہے۔ جدید سائنس کا تمام دار و مدار انسانی عقل و حواس اور انسانی ذہن کی کار فرمائی پر ٹکا ہوا ہے پس جدید سائنسی کائنات کا تصور بھی موضوعی اور بشریائی قرار پاتا ہے اس کے برخلاف قدیم سائنس اپنی اساس انسانی دماغ پر نہ رکھتے ہوئے اس سے بالاتر غیبی ذہن پر رکھتی تھی۔ پرانی سائنس انسان کو صرف اس لئے مرکز مان کر آگے بڑھتی تھی کہ وہ اس کائنات کے معنے کا گیان حاصل کرے۔

جدید فکر کے اپنے خالق کے بشری تجسیم کاری کے رجحان نے حقیقتِ اولیٰ (قادرِ مطلق) سے انسان کا رشتہ توڑ دیا ہے۔ انسان اور خالقِ کائنات کے مخدوش ہوتے رشتے کو لڈوگ فیور بیک، کارل مارکس، چارلس ڈراون، فریڈرک نیٹشے، سگمنڈ فرائڈ جیسے دانشوروں کے اینٹی گاڈ نظریے نے بہت زیادہ تقویت پہنچائی۔ انہیں فلاسفروں کے زیر اثر انیسویں صدی کے آخر تک دانشوروں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس کا خیال تھا کہ اگر خدا مر نہیں گیا تو سائنسی اور منطقی فکر رکھنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اسے قتل کر دیں مثلاً ژاں پال سارتر 1905-1980 نے "انسانی شعور میں خدا کی شکل کے ایک سوراخ کا ذکر کیا تھا۔ " God Shaped hole in human consciousness اس کا خیال تھا کہ اگر خدا تھا بھی تو انسان کو اپنی آزادی کے لئے اس سے انکار ضروری تھا کیونکہ خدا ہماری آزادی کو محدود کرتا ہے۔ البرٹ کامیو (1913-1960) جو کہ ایک نوبل انعام یافتہ دانشور اور ادیب تھا، کا خیال تھا کہ خدا کو پیچھے چھوڑ کر انسان کو اپنی تمام تر صلاحیتیں انسانیت کی بہبود کے لئے استعمال کرنی چاہیئے۔ یہ ڈرامہ اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ گیا جب تھومس الٹیزا Thomas Altizar جیسے مذہبی فلاسفر نے بھی انسانوں کو خدا کے موت کی خوشخبری (good news) سنائی۔ اور انھیں یہ باور کرایا کہ خدا کی موت کے بعد انسان ایک نئی آزاد زندگی گذارنے کے قابل ہوا ہے۔ ولیم ہمیلٹن نے اپنی کتاب ریڈیکل تھیولوجی اینڈ دی ڈیتھ آف گاڈ Radical thiology and the death of God میں لکھا کہ انسان کو خدا سے امیدیں نہیں لگانی چاہئیں بلکہ اپنے مسائل کا حل خود تلاش کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس بیچ فلاسفروں کا ایک ایسا گروہ بھی پیدا ہوا جو مثبت منطقی Logica : Positivists کہلاتا تھا۔ یہ گروہ نظریاتی طور پر خدا کے وجود کا اس حد تک منکر نہ تھا۔ اسی گروہ کے دانشور اے۔ جے آئیر A.J.Ayer 1910-1991 کا خیال تھا کہ ہمیں یہ دیکھنے کے بجائے کہ خدا ہے یا نہیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا خدا کا تصور انسانیت کے لئے سود مند اور پر معنی ہے؟ لیکن مثبت منطقیوں

کو زیادہ قبولیت نہیں ملی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے آگے چل کر یہی Anty God نظریہ خالق کائنات کی بشری تجسیم کاری کے رجحان کے فروغ کی وجہ بنا۔ مثلاً پول بیورن Paul Buren نے اپنی کتاب سیکولر مینگ آف گاسپیل Secular meaning of Gospel میں کہا کہ اب ہمیں خدا کو چھوڑ کر صرف عیسیٰ پر ایمان لے آنا چاہیے جو ایک انسان تھا اور انسانوں کو نئی آزادی کا پیغام دینے آیا تھا۔ یہودی فلاسفر رچرڈ ریوبنسٹن کو یہودی صوفیا کا خدا اس لئے بہت عزیز تھا کیونکہ وہ تصورات کی بہ نسبت انسانی تجربات سے زیادہ قریب تھا۔ پول ٹلچ Paul Tillich کا خیال تھا کہ ایسے روایتی خدا کی جو انسانوں کی روزمرہ کی زندگی متاثر کرتا ہے رخصتی کا وقت آگیا ہے اس کا کہنا تھا کہ خدا انسانی ذات اور تجربہ کا حصہ ہے۔ باہر کوئی چیز نہیں ہے۔

اس جدید فکری اور نظریاتی یلغار سے خدا اور کائنات کا وہ تصور جو عیسائیت نے صدیوں سے قائم کر رکھا تھا آہستہ آہستہ متروک ہونے لگا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنے مذہبی اقدار کے معاملے میں بنیاد پرست سمجھے جانے والی یہودی اور مسلم دنیاؤں پر بھی اس کے واضح اثرات پڑنے لگے۔ خدا سے انکار اور اس کے زیر اثر خالقِ کائنات کی بشری تجسیم کاری کے رجحان نے لوگوں کے دلوں میں مسرت اور شادمانی کی بجائے شکوک و شبہات، درد و کرب اور تضادات کا طوفان برپا کر دیا۔ طرح طرح کے توہم پرستانہ نظریات کو نہ صرف بالادستی حاصل ہوئی بلکہ بت پرستی، خدا سازی اور مظاہر قدرت کو الوہیت کا روپ دینے کی سازش کی جانے لگی۔ فکر جدید کی اس ارادی یا غیر ارادی نظریاتی غلطی کے سبب شر اور دہریت کے درمیان ٹامک ٹوئیاں مارتا ہوا انسان بہت حد تک غیر معقولیت، بگاڑ عدم توازن کا شکار ہو گیا۔ خونیں جنگوں، ابلتی نفرت، اندھے، غیر معقول انسان دشمن تعصبات کے کبھی نہ ختم ہونے والے سیلاب سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ آج بھی دنیا کی ۹۰ فیصد سے زائد آبادی کا ماننا ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتی ہے لیکن ان کی زندگی میں روحانی اقدار کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ جرائم کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور نشہ وار ادویہ کا استعمال روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ آج عالمی معاشرہ روحانی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے اور لوگ روحانی طور پر مردہ ہو چکے ہیں۔ اگر ہمیں اس نا امیدی، مایوسی اور اقدار کے بحران پر قابو پانا ہے اور ایمان مذہب اور خدائی بالادستی کی۔۔۔ بازیافت کرنی ہے تو ہمیں خدا اور مذہب کی ہزاروں سالوں کی تاریخ پر کافی دیر تک نہ صرف سنجیدگی سے غور و فکر اور تدبر کرنا ہوگا بلکہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ کی طرف مراجعت کی کوشش بھی کرنی ہوگی۔

نہیں ہے کوئی مفر لا الہ اللہ

بس ایک سمتِ سفر لا الہ اللہ

☆☆☆☆

www.urduchannel.in

○ شمس الرحمٰن فاروقی

رباعیات

(۱)

سورج سے نیا ربطِ نہانی دے دے
مرجھائی شعاعوں کو جوانی دے دے
تونے تو پتھر میں شرر ڈالا ہے
یاقوت نگہ کو پھر سے پانی دے دے

(۲)

خوشبو میں بھری رات کی رانی ہے یہ رات
بچپن کی سنی کوئی کہانی ہے یہ رات
اسرار کے دریاؤں کا پانی ہے یہ رات
مردار سمندر کی روانی ہے یہ رات

(۳)

اک رات ہوں جس کو کہ سویرا نہ ملا
اک ناگ ہوں جس کو کہ سپیرا نہ ملا
اک سحر ہوں ساحر بھی جسے بھول گیا
اک شہر ہوں جس کو کہ لٹیرا نہ ملا

(۴)

رفتار و صدا گنبدِ افلاک میں آئے
کچھ رنگِ حیا دیدۂ چالاک میں آئے
ہر چیز مقید ہے کسی کے دل میں
دل ٹوٹے تو جاں نقشِ کفِ خاک میں آئے

نوجوان شاعر فراغ روہوی کا
شعری مجموعہ
چھیاں چھیاں
رابطہ: 67 مولانا شوکت علی اسٹریٹ
کلکتہ: 700073

شری کرشنا کمیشن رپورٹ
ترجمہ: جاوید جمال الدین
قیمت: سو روپے
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جے جے کارنر، ممبئی ۳

چل اڑجا رے پنچھی
(ڈرامہ)
آفتاب حسنین
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جے جے کارنر ممبئی ۳

○ جوگیندر پال

جے شری رام

کوئی آدھی رات کے سمے یہاں عجیب گھٹنا گھٹ گئی۔

بھگوان رام کی مورتی کو آج ہی یہاں مسجد کے احاطے میں استھاپت کیا گیا۔ استھاپن پر رام بھگتوں نے جنے کے نشے میں اتنے دھوم دھڑکے سے آرتی اتاری کہ خوشبو اور دھوئیں کے بھنور میں گھرا بھگوان اپنی بے بس پتھریلی مسکراہٹیں مسکراتا رہ گیا۔

لوگ تو آرتی اتار کر چلے گئے پر بھگوان ویسے ہی غم و غصے کی حالت میں مسکراتا ہے اور پھر جب آدھی رات ہونے کو آئی تو بے چین ہو کر وہ اچانک گوشت پوست کا ہو گیا اور اس میں سچ مچ جان پڑ گئی اور وہ اپنے قدموں سے چل کر اپنے اونچے استھان سے نیچے اتر آیا۔

پھر بھگوان رام کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے پجاری کا ایک صاف سا جوڑا چرایا اور اس کا بھیس بدل کر چپکے مسجد کے باہری دروازے کی اور ہو لیا۔

مگر وہاں تو ہتھیار بند چوکیدار ڈٹ کر کھڑے تھے۔ مگر بھگوان نے اپنا نام لے کر سوچا جو ہوگا سو ہوگا ہی اور بڑی چترائی سے چوکیداروں کے گھیرے میں آن کھڑا ہوا۔

"کیوں پنڈت جی مہاراج، کدھر؟" ایک مونچھو چوکیدار نے بھگوان سے پوچھا۔

"جدھر بھگوان لے جائیں، بیٹا"

"پر کدھر"

ایک اور چوکیدار بیچ میں بول پڑا "پجاری جی جانتے ہیں کہ کدھر تمہیں کیا؟"

بھگوان نے میدان صاف پا کر اپنے بھگتوں کی طرح اپنے نام کو سراہا اور پٹکا کستے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

"جاگتے رہو!"

(۲)

www.urduchannel.in

شہر کی اندھیری سڑکوں پر پہرے داروں کی ہانکیں سن کر بھگوان مسکرانے لگا کون جاگتے رہیں؟ چور؟......
سادھو تو تھک ہار کر سوئے پڑے ہیں۔ وہ تو سوریہ اُدئے سے تک جاگنے سے رہے۔
بھگوان ابھی تھوڑی ہی دور آیا تھا کہ پولس کے ایک سپاہی نے اسے ڈنڈا دکھا کر روک لیا۔
"کہاں سے آرہے ہو؟" سپاہی اس کے ماتھے پر تلک دیکھ کر ہنسنے لگا....... کوئی مورتی چور معلوم ہوتے ہو۔
بولو، چوری کا مال کہاں چھوڑ آئے ہو؟.... پتہ نہیں........ کیوں پتہ نہیں......؟" اس نے آگے بڑھ کر بھگوان کا
ہاتھ پکڑ لیا..... "میں تم لوگوں کو خوب جانتا ہوں۔"
پھر اچانک ایک اور شک اٹھنے پر اس نے ڈھیلا پڑ کر ایک آنکھ میچ لی۔ "کہیں ایسا تو نہیں بھگوان کو سلا کر مسلوں
کو تڑی پار کرنے نکل پڑے ہو......؟"
"چھوڑو مجھے۔" بھگوان نے تیر کو چلے سے چھوڑنے کے انداز میں منہ کھولا۔
"لو بھائی پنڈت، خفا کیوں ہوتے ہو؟ یہ لو چھوڑ دیتا ہوں......" سپاہی نے بھگوان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "جاؤ' جو
چاہو کرو پر جانے سے پہلے ہماری دکشنا تو دیتے جاؤ۔"
"دکشنا؟"
"ہاں نکالو ورنہ......"
بھگوان سپاہی کی طرف دیکھتا رہ گیا۔
"ارے نکالو، ورنہ......"
خوش قسمتی سے پجاری کے کرتے میں دس دس کے تین نوٹ رکھے تھے جو بھگوان نے ٹٹول کر سپاہی کی ہتھیلی پر
رکھ دیئے۔
"چلو بھاگو!"
بھگوان بھاگتے بھاگتے ریلوے اسٹیشن آ پہنچا اور گیٹ پر کسی کو کھڑا نہ پا کر بے روک ٹوک پلیٹ فارم پر کھڑی گاڑی
کے ایک ڈبے میں جا بیٹھا..... نہیں، ڈبے میں بیٹھنے کی جگہ کہاں تھی؟ ایک کونے میں بھیڑ جھکڑ میں دبک کر جا کھڑا
ہوا۔
اس سے پہلے کہ بھگوان کا دم گھٹ کر اس کی چوٹی میں آ پھنسا اور وہ پھر پتھر ہو کر رہ جاتا، کسی نے اس کے
ماتھے پر تلک کی جھلک پالی اور اس پر ترس کھا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"بیٹھ جاؤ پنڈت"
"مگر تم......"

www.urduchannel.in

"ہار چھوڑو، بھگوان کے درسنوں کو نکلے پڑے ہیں تو کھڑے کھڑے بھی جائے پہنچیں گے،
ڈبے میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی۔

"سارے ڈبے میں اپنا ہی گاؤں لدا پڑے ہے پنڈت۔ بے فکر ہوئے کے سو جاؤ۔"

"تو لوگ کہاں جارہے ہو؟"

"مالوم ہیں کا؟ اگلے ٹیشن تک....."

"وہاں کیا ہے؟"

"ارے، پنڈت ہو کے بھی ناہیں جانے ہو؟ تڑکے ادھر ساکسات بھگوان رام اپنے رتھ میں پہنچے ہیں۔"

"ساکشات بھگوان رام؟"

"ہاں اور کا؟"

بھگوان رام نے بے اختیار اپنا نام لیا، تاکہ حیرت سے پھر اپنی مورتی نہ بن کر رہ جائے۔

"ارے مورکھ پنڈت ..... "کوئی اور بولا.... "پوتھیوں میں اتنا مت سوئے جاؤ کہ سنسار ہی بھولے جائے۔
مالوم، بھگوان رام سارے بھارت کا اسودھ کر کے ادھر ہی لوٹ رہے ہیں۔

"ہاں..."

"ہاں.....ں!" کئیوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے چوپان الاپنے کے انداز میں ایک ساتھ دہرایا۔

"پر کیوں.....؟ بھگوان ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" بھگوان نے جاننا چاہا۔

"کیوں....؟ کیا خدا سے دودو ہاتھ کرنے ....!"

"ہاں.....ں.....ں!"

ان کے قہقہوں کی بوچھار میں مانو بھگوان رام کا دماغ چل گیا۔

"پوتھی سے باہر نکلو پنڈت، پھر کچھ جانو بوجھو بھی......"

نکل تو آیا ہوں..... مگر بھگوان نے لاچاری سے سوچا کہ بات تو وہی سنی جاتی ہے جہاں لوگوں نے اپنے کان دھر رکھے ہوں.....

یہی تو ہوا..... بھگوان کی سمجھ میں آنے لگا..... ان بے چاروں کا کیا دوش؟ کتھا سمرن کے بعد یہ لوگ اپنے کان تو رامائن کے پنوں میں ہی لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ انھیں سنائی کیسے دے..... جو دکھتا ہے وہی انھیں سنائی دیتا ہے اور یہ سر ہلائے جاتے ہیں..... ٹھک ٹھک..... ٹھک ٹھک... گاڑی کے بے معنی سر نے بھگوان کو اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ رو میں اور سب کچھ بھول کر اسے ہی سنتا چلا گیا..... ٹھک ٹھک...!

www.urduchannel.in

"سوئے گئے، پنڈت؟"

بھگوان نے بولنے والے کو سنے بغیر سوچا کہ اس کے بغیر اس نے کیا پوچھا ہوگا..... سوئے گئے....اور اُسے ہاں یا نہ میں جواب دے کر وہ پھر اپنی اونگھ میں سرک آیا۔

ٹھک ٹھک.....!

گاڑی کی ٹھک ٹھک میں بھگوان کو والمیکی کی کلپنا تک اپنا راستہ بجھائی نہ دے رہا تھا۔

(۴)

بھگوان بھی ان لوگوں کے ساتھ اگلے اسٹیشن پر اتر گیا جہاں دیش بھر کی جنتا بلبلاتے ہوئے کیڑوں کوڑوں کی طرح بے تحاشہ ایک دوسرے پر چڑھی آ رہی تھی اور اس سڑک کی طرف منہ کئے ہوئے تھی جدھر سے سوریہ ونش کے اشو میدھ رتھ نے گزرنے سے پہلے بس ذرا سا رکنا تھا کہ بھگتوں کی ڈنڈوت سویکار کر کے آگے بڑھے۔ ریلوے اسٹیشن سے یہ سڑک چند سو گز کے فاصلے پر ہی واقع تھی مگر ان کے وہاں پہنچتے پہنچتے سورج نکل آیا اور دھکا پیل میں گرتے پڑتے بھوکے پیاسے بھگتوں کے سروں میں گھنے لگا اور پھر جو ہوا اس پر یقین نہیں آیا۔ بھگوان رام نے اتنے دھکے کھائے کہ اس کی سٹی گم ہو گئی اور اس یاد ہی نہ رہا کہ وہ تو بھگوان ہے ہانپ ہانپ کر وہ آخر سڑک کے کنارے ایک ٹیلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اوروں کی مانند اس نے بھی بڑی شردھا سے سڑک پر ٹکٹکی باندھ لی اور دونوں ہاتھ جوڑ لئے۔ اور بے اختیار رام رام جپتے ہوئے اس کی آنکھیں ترسنے لگیں کہ بھگوان رام کب اپنے اشو میدھ رتھ میں ساکشات درشن دیں گے۔

نوجوان شاعر **ساحد سرور** کی ترتیب میں نکلنے والا ایک اہم رسالہ

سہ ماہی عہد نامہ

پتہ: پوسٹ بکس نمبر 236 بی اور رانچی۔ 1

مشہور ادبی شخصیت شاعر عاشق ہرگانوی کی ادارت میں نکلنے والا

سہ ماہی کوہسار جرنل

رابطہ: بہار پور، بھاگل پور 812001

غـــزلیں

ظفر اقبال ظفر

دشمنوں کا حصار ٹوٹا نہیں
رقص تیغ بہار ٹوٹا نہیں

قافلے تو گذر گئے کب کے
راستے کا غبار ٹوٹا نہیں

بستیاں خاک ہوگئیں پھر بھی
نفرتوں کا شرار ٹوٹا نہیں

حادثے راہ میں بہت آئے
عزم تھا پائیدار ٹوٹا نہیں

آنکھیں پتھر کی ہوگئیں لیکن
سلسلۂ انتظار ٹوٹا نہیں

فصل ہی فصل ہے سروں کی ظفرؔ
ایک پل کو شمار ٹوٹا نہیں

زندگی تھی نیزہ نیزہ ہر گلی ہر موڑ پر
زخم تھے چہرا ہی چہرا ہر گلی ہر موڑ پر

داستاں ماضی کی ذہنوں سے کھرچ کر لے گیا
حادثہ درحادثہ تھا ہر گلی ہر موڑ پر

آدمی چنگیز بن کر جی رہا ہے آج کل
کشت و خوں، شعلہ ہی شعلہ ہر گلی ہر موڑ پر

برف کی پوشاک تھی میرے بدن پر دوستو!
اور ہوا کا سامنا تھا ہر گلی ہر موڑ پر

حادثات نو بہ نو کی دھوپ تھی بکھری ہوئی
اور ظفرؔ بے چارہ تنہا ہر گلی ہر موڑ پر

شرون کمار ورما

سرسبز ہیں شاخیں تو ثمر کیوں نہیں دیتا
اللہ دعاؤں میں اثر کیوں نہیں دیتا

کیا اب نئی دنیا کی ضرورت نہیں یارب
آدم کو نیا اذن سفر کیوں نہیں دیتا

میں کب کا پریشان ہوں اپنی تلاش میں
میں ہوں تو مجھے میری خبر کیوں نہیں دیتا

سائے بھی ترے میں بھی تراؔ دھوپ بھی تیری
پھر تو مری راہوں کو شجر کیوں نہیں دیتا

دریاؤں کو آغوش سمندر کی تو دے دی
آوارہ ہواؤں کو بھی گھر کیوں نہیں دیتا

ہر چیز میں تو ہے تو نظر کیوں نہیں آتا
پہچان لے تجھ کو وہ نظر کیوں نہیں دیتا

زبیر شفائی

بام کی طرف نظر اٹھاؤ گے
پھر کبھی پلک جھپک نہ پاؤ گے

چاند سے زیادہ تم قریب ہو
کب سیاہ خانہ جگمگاؤ گے

عشق ہے قمار خانہ عجب
جیتنے کے بعد ہار جاؤ گے

سرخ کس قدر ہو آگ کی طرح
اب تم اپنا پیرہن جلاؤ گے

اور اک زمین چاہتے ہو تم
لیکن آسماں کہاں سے لاؤ گے

میرا گھر عجائبات میں جو ہے
رات دن میں فرق کر نہ پاؤ گے

کھینچ لو قدم ادھر بڑھے ہوئے
اے زبیر ورنہ جاں گنواؤ گے

زربفت آفتاب نکلتا ہے رات میں
یہ خطہ زمیں ہے اسی کائنات میں

پہروں میں سانس ہی نہیں لیتا کبھی کبھی
ابہام سو طرح کے ہیں مصروفیات میں

شائد ہی پاؤں بوجھ بدن کا سنبھال پائیں
آگے سواد ہجر جو ہے واقعات میں

آخر میں زندگی سے نبرد آزما ہوں کیوں
شانے پہ ہے کمان نہ تلوار ہاتھ میں

محسوس ہو کہ ساتھ ہے لیکن نظر نہ آئے
وہ ناگہاں بلا جو برابر ہے گھات میں

وہ ایک دوسرے میں سماتے چلے گئے
خود کار تھے تمام عمل التفات میں

مجہول آدمی ہوں پتہ کیا مجھے زبیر
یہ ممکنات میں ہے وہ ناممکنات میں

www.urduchannel.in

مدّھوش بلگرامی

مری وفا کے تعلق سے واہمے رکھنا
اور انتظار میں ہر گام پر دیئے رکھنا

ملو تو کھل کے ملو یہ بھی کیا تکلف ہے
حصار ذات کے اندر بھی دائرے رکھنا

مسیح وقت کبھی تو ادھر سے گزرے گا
سجے ہوئے سے خیالوں کے بتکدے رکھنا

نہ جانے کس گھڑی یادوں کے قافلے اتریں
دیارِ دل میں اجالوں کے سلسلے رکھنا

پس غبار دکھائی دیا نہ جب کچھ بھی
ہمیں بھی آگیا شفاف آئینے رکھنا

ضرور لوٹیں گے وہ لوگ جنگ سے مدہوش
بچا کے ان کے لئے بھی تو مرتبے رکھنا

اشاروں کی زباں اے یار پڑھنا
مرے انکار کو اقرار پڑھنا

ہوا دیتے ہیں نفرت کو یہی اب
بس اتنا سوچ کر اخبار پڑھنا

یہ تحریر محبت بھی عجب ہے
کبھی آساں کبھی دشوار پڑھنا

کسی یوسف کی قیمت کیا لگے گی
ہمیں بھی آگیا بازار پڑھنا

تمہیں بھی آگیا مدّہوش صاحب
نگاہِ ہمدم و اغیار پڑھنا

جو بارش اس برس بھی لکھ گئی ہے
وہ نوحہ برسر دیوار پڑھنا

ساجد حمید

لال، سنہرے، نیلے، پیلے، اجلے خواب
آنکھوں میں پلتے ہیں کیسے کیسے خواب

روح کو خوشبو موسم پہنادیتے ہیں
نفس نفس میں کھلتے اور مہکتے خواب

کردیتے ہیں اپنوں سے بھی بیگانہ
بے حد زہریلے ہوتے ہیں شہر کے خواب

سوچ رہا ہوں اک تصویر نشیلی سی
جھیل سی آنکھیں اور ان میں جگنو سے خواب

لہراتے شعلوں کو نیندیں آنے لگیں
مجھ سے جو ہم آغوش ہوئے برفیلے خواب

موسم ہجراں میں کیوں مجھ سے روٹھ گئے
تتلی، پھول، گلہری اور برگد سے خواب

ان کے بنا جینا دوبھر ہوجاتا ہے
گوسیماب صفت ہیں ساجد اپنے خواب

خالد عبادی

آگ کیسی لگادی تو نے
لوح محفوظ یہ جلادی تو نے

تجھ سے شکوہ بھی نہیں کر سکتے
بات اس طرح بڑھا دی تو نے

میرے صادق تو نہیں ہو سکتے
کس کی تحریر مٹادی تو نے

باغباں اپنی لگن میں تھے مگن
شاخِ شمشیر جھکادی تو نے

لوگ سڑکوں پہ نکل آئے ہیں
کردیا بھیڑ کا عادی تو نے

شہر میں اتنا اندھیرا کیوں ہے
کیا کوئی شمع بجھادی تو نے

یہ بہت ہے کہ غدر لمحوں میں
پالیا خود کو عبادی تو نے

بے سوالی نے اک سوال کیا
کاملو ہم نے کب کمال کیا

دیر تک چپ رہے رقیب و حریف
اس نے ہم پر بھی احتمال کیا

چارہ گر نے عطا کیا جو بھی
زخم نے طوقِ اندو مال کیا

سر یہ کیوں شرم سے نہیں جھکتا
دل کو دنیا نے پائمال کیا

غم کو نابود کردیا جائے
سب کو اس نے خراب حال کیا

وہ تو میرے ہی تھے عدو آخر
تم نے اچھا کیا خیال کیا

آرزو مند وصل تھے جتنے
سب کو بیداد نے بحال کیا

ایسے حالات ہی، نہ تھے پہلے
شیشۂ جاں کو نذر بال کیا

www.urduchannel.in

اختر جمال

بے مکانی راس آئے گی مکاں ہونے کے بعد
یہ زمیں روئے گی مجھ کو آسماں ہونے کے بعد

اچھی باتیں اچھے لوگوں کی تمنا چھوڑ دو
دل کو سمجھایا بہت لیکن زیاں ہونے کے بعد

ایک پل خوش فہمیوں کا لے گیا سارا ہنر
ڈھونڈتا پھرتا ہوں خود کو رائیگاں ہونے کے بعد

میں اکیلا تھا تو کتنی منزلیں سر ہو گئیں
ٹوٹ کر بکھرا ہوں میر کارواں ہونے کے بعد

آسمانوں سے اتر آئے تھے اختر کس لئے
شمع کی چوکھٹ پہ بیٹھے ہو دھواں ہونے کے بعد

حامد اقبال صدیقی

ضروری تو نہیں توقیر لکھ دے
مرے خوابوں کی بس تعبیر لکھ دے

یہ مانا لفظ گونگے ہو گئے ہیں
نگاہوں سے مری تفسیر لکھ دے

چلوں تو کھول دے راہیں فلک تک
رکیں جب پاؤں تو زنجیر لکھ دے

میں اپنے حق میں کیا مانگوں خدایا
اندھیروں کے لئے تنویر لکھ دے

میاں اپنے ہنر کی بات کیجئے
غزل حامد کہے یا میر لکھ دے

www.urduchannel.in

محمد اسلم غازی

وضعداری کے تقاضوں کو نبھائے رکھنا
سرد آہوں کو تبسم میں چھپائے رکھنا

بے تعلق جو ہے اس سے نہ تعلق ٹوٹے
یاد بھی اس کی کلیجے سے لگائے رکھنا

سرخرو عہد خزاں میں بھی اگر ہونا ہے
اپنے زخموں کے گلابوں کو کھلائے رکھنا

زندگی میں یہ عزائم کی خبر دیتے ہیں
اپنی پلکوں پہ سدا خواب سجائے رکھنا

جاگنے والوں کو نیند آتی ہے ہنگام سحر
تم بہر حال امنگوں کو جگائے رکھنا

وقت آئے گا کہ تم رو گے تنہا غازی
اس گھڑی کے لیے کچھ اشک بچائے رکھنا

رئیس الدین رئیس

کل رات بڑی دمک رہی تھی
زخموں کی زمیں چمک رہی تھی

لکھتا رہا رات آپ بیتی
الفاظ کی فصل پک رہی تھی

آنکھوں میں تھے خوش جمال پیکر
تاحدِ نظر دھنک رہی تھی

میں رات خموش تھا مگر رات
آنگن میں بہت کھنک رہی تھی

بارش تو ٹھہر چکی تھی لیکن
مخدوش سی چھت ٹپک رہی تھی

حیراں تھا کوئی بہت کہ پیہم
تصویر اسی کو تک رہی تھی

وہ خواب کہ چھونے کو مجھے جب
دھرتی یہ بہت اچک رہی تھی

دیکھا تو رئیس مجھ کو تنہا
رات آتے ہوئے جھجک رہی تھی

مضطر اعظمی

صاف گوئی کی مجھے کچھ تو سزا دو یارو
کچھ نہیں تو کوئی الزام لگادو یارو

جس گلستان سے نہ آئے کبھی بلبل کی صدا
اس چمن زار کو ہی آگ لگادو یارو

بے وفا دور میں جو کی ہیں وفائیں میں نے
ان وفاؤں کا مجھے کچھ تو صلہ دو یارو

میں بہت خوش ہوں اگر میرا مقدر ہے صلیب
ابنِ مریم ہی سہی کچھ تو بنادو یارو

کتنی تاریک ہے سنسان ہے بستی میری
لحد پر آکے کوئی دیپ جلادو یارو

عدیم برہانپوری

اندھیری شب میں جب اہلِ جہاں آرام کرتے ہیں
جلا کر شمعِ دل ہم زندگی کی' شام کرتے ہیں

جہاں میں عیش کی باتوں سے مزدوروں کو کیا نسبت
مشقت ہی مشقت وہ تو صبح و شام کرتے ہیں

چھپے گی کل کسی اخبار میں پھر یہ خبر شاید
شریفوں کو جہاں والے عبث بدنام کرتے ہیں

شکایت اے عدیم ہم کیا کریں ان سے زمانے میں
بزرگوں کی وراثت کو جو خود نیلام کرتے ہیں

جمال اویسی

پرندہ وقت کا مائل بہ پرواز
سکوں میں بھی غضب کی ایک آواز

نہ مے چھلکی نہ موت آئی سبو کو
مگر کیوں بجتے بجتے رک گیا ساز

ہراساں ہونے ہی والی ہے ہر شئے
عیاں بس ہونے ہی والا ہے اک راز

مگر ہیں کتنے ششدر کرنے والے
مری آنکھوں میں سب خوابوں کے انداز

مجھے بہلا رہی ہے اک ادا سے
یہ دنیا اور دنیا کی تگ و تاز

میں رک جاؤں گا تھوڑی دیر اویسی
اگر دیتی ہے دنیا مجھ کو آواز

+++

جو میری آہ سے نکلا دھواں ہے میری مٹی کا
مرے اندر نہاں آتش فشاں ہے میری مٹی کا

دیے ہیں طاق پر روشن مگر ضو میرے اندر ہے
جو کچھ کچھ تیرگی ہے وہ سماں ہے میری مٹی کا

مرے جلووں کی پامالی نہ دیکھی جائے گی مجھ سے
ہنر کچھ اس طرح سے رائیگاں ہے میری مٹی کا

ضرور اسکی شباہت میری سوچوں سے الگ ہوگی
تصور میں جو دیکھا ہے گماں ہے میری مٹی کا

سمندر اور دریا ہیں پرانے آشنا میرے
برستا ہے جو پانی مہرباں ہے میری مٹی کا

مرے اشعار میں آفاق و انفس کی کہانی ہے
مرا ہر لفظ شیریں ترجماں ہے میری مٹی کا

اویسی قلب و جاں کرتے رہیں شعر و ادب کو ہم
اگرچہ یہ بھی فن رائیگاں ہے میری مٹی کا

www.urduchannel.in

در قفس پہ کوئی بار بار آتا ہے
جو حال پوچھتا ہے رو کے لوٹ جاتا ہے

تہہ نجوم کسی شئے کو آنکھ ڈھونڈتی ہے
شہاب کا کوئی ٹکڑا نظر میں آتا ہے

فضائے دہر پہ چھائی ہوئی اداسی میں
ستارہ شام کا اگتا ہے مسکراتا ہے

شکست کھا کے میں لوٹا ہوں اپنی ہستی سے
کسی کا نام مگر منہ مرا چڑاتا ہے

میں اسپ شعلہ خرام اپنی چال میں گم ہوں
زمانہ کس لئے رستے میں میرے آتا ہے

شجاع الدین شاہد

لہو زمیں سے فضا سے دھواں اٹھا لے جا
اے ابر اتنا برس سب نشاں اٹھا لے جا

سلگتی دھوپ ہے سورج پہ اعتبار کہاں
نکل سفر پہ مگر سائباں اٹھا لے جا

فضول بات کہ تلوار تیری ٹوٹ گئی
ذرا سا زور لگا یہ جہاں اٹھا لے جا

رئیس شہر نے یہ چھوٹ دی ہے قاتل کو
جبینِ شوق ہٹا آستاں اٹھا لے جا

یہ تیرا جسم اسی خاک کی امانت ہے
فصیلِ شہر سے اپنا مکاں اٹھا لے جا

چمکتے لفظ ستاروں سے چھین لے شاہد
عروج فکر بڑھا کہکشاں اٹھا لے جا

رؤف خیرؔ

جہاں سوجھا نہ کچھ بھی زانیوں کو
پریشاں کر دیا افغانیوں کو

ہمارے ساتھ مشکل ہے تو یہ ہے
سمجھتے ہی نہیں آسانیوں کو

تقاضہ ہے یہی دانائیوں کا
نظر انداز کر نادانیوں کو

ذرا پردیس ہجرت کر کے دیکھو
سمجھنا ہو جو پاکستانیوں کو

نئے قصے سنائے نسلِ نو نے
خود اپنی دادیوں کو نانیوں کو

بلا تفریق مذہب خیرؔ انساں
خدا سمجھے ہوئے ہیں فانیوں کو

www.urduchannel.in

ساحرؔ نصرت

زندگی راستوں کی کہانی سہی
چادریں دھوپ کی سب پرانی سہی

لوگ باتوں کے اب بھی دھنی ہیں بہت
ساری بستی بھلے ہی گمانی سہی

پھر شفق نے دکھایا ہنر خوب رو
سرخیاں کربلا کی سہانی سہی

آگ سے کھیلتا ہے ہر اک آدمی
صاحبو! زندگی پر معانی سہی

نفیس بانو شمع

اک مصوّر کا خواب لگتا ہے
حسن وہ لاجواب لگتا ہے

حسن کی بارشیں ہیں محفل میں
چہرہ چہرہ گلاب لگتا ہے

روبرو وہ اگر ہو ساحل کے
سارا دریا حباب لگتا ہے

مل گئی اس کو سلطنت دل کی
جو بھی خانہ خراب لگتا ہے

کس کی گلشن میں حکمرانی ہے
کانٹا کانٹا گلاب لگتا ہے

علم کا شہر تو ترا چہرہ
آسمانی کتاب لگتا ہے

تیرا پیکر ہے کعبہ کی صورت
دیکھنا بھی ثواب لگتا ہے

حنّا انجم

تمہاری ضد پر جبیں خم کنیز کرتی ہے
اَنا کے زخموں پر مرہم کنیز کرتی ہے

کچھ آپڑی ہے اب ایسی ہے آئینے سے خفا
عموماً ایسا بہت کم کنیز کرتی ہے

پہن کے طوقِ غلامی غرور و فخر کے ساتھ
رسوم بندگی محکم کنیز کرتی ہے

لحاظ کرکے بزرگوں کا رہ گئی تھی خموش
اسی کا آج بھی ماتم کنیز کرتی ہے

نگاہ نیچی لب و لہجہ التجا آمیز
ہمیشہ شکوۂ مُبہم کنیز کرتی ہے

شکن جبیں پہ کسی کی نہ ہو لبوں پر گلہ
یہی تو کوشش پیہم کنیز کرتی ہے

حنّا غموں سے نہیں ملتی جب بھی جائے پناہ
دوپٹہ پچھلے پہر نم کنیز کرتی ہے

حبّاب ہاشمی

جو خود شناسی و حق آگہی اتارے گا
نگاہ و دل میں وہی روشنی اُتارے گا

سفینہ اپنا بھنور میں جو پھنس گیا ہے تو کیا
وہ ناخدا ہے تو پھر پار بھی اتارے گا

ہمیشہ فتح ہوئی حق کی اہل باطل پر
عصائے موسیٰ پہ کیا سامری اُتارے گا

وہی جو خاک میں سب کو ملائے گا اک دن
وہی پھر ان کے لئے زندگی اُتارے گا

تمام دن کی تمازت یہ کہہ رہی ہے حبابؔ
وہ آج شب مرے گھر چاندنی اُتارے گا

نثار احمد نثار

بدن میں قحط لبوں پر فغاں سلامت ہے
تو پھر کہیں شرر جاوداں سلامت ہے

بہت طویل مرے کرب کا زمانہ ہے
کہ آگ بجھ بھی گئی تو دھواں سلامت ہے

کھلی فضا کے پرندے کسی کے بس میں نہیں
کمندِ عصر میں صیدِ زماں سلامت ہے

اس اعتماد نے بے خانماں کیا ہے مجھے
مجھے بھی زعم تھا جائے اماں سلامت ہے

کبھی نہ ختم ہوئی روز و شب کی ارزانی
بڑے وثوق سے کارِزیاں سلامت ہے

شام ہو جانے کو ہے سورج نظر آتا نہیں
کیا زمین کا آسماں سے رابطہ اچھا نہیں

معرکے عشق و محبت کے ہمیشہ سر کئے
خود کبھی دہر کے غضب میں فتح کر پایا نہیں

میری خوش فہمی تصرف چاہتی ہے عرش پر
بولتی ہے کچھ بھی فرش خاک پر بھاتا نہیں

قفل کھلتا ہی نہیں خانہ ادارک کا
مشغلہ شعر و سخن کا آج کل ہوتا نہیں

میں نے دیکھے ہی نہیں آئندہ وہ فردا کے خواب
زندگی طے پائے گی کیسے کبھی سوچا نہیں

تمام خانۂ شہر غنی ضیائے گئے
بساطِ دہر سے آگے بساط بارش کی
ہمیں غروب کئے جا رہی ہے بے ہنری
دھوئیں سے آنکھیں ہوئیں خلق شہر کی خیرہ

متاعِ صبر سے ہم لوگ بھی عطائے گئے
اک ایک کر کے در و بام آئنائے گئے
سحر طراز عوامل سے ہی جدائے گئے
نثار خلقتِ صحرا میں آشنائے گئیلق

www.urduchannel.in

○ عبید اعظم اعظمی

مربع بحر میں حشو نہیں ہوتا

س: سرکشی ضروری ہے معرکے ضروری ہیں
زندگی میں ایسے بھی مرحلے ضروری ہیں

مندرجہ بالا شعر کا وزن مندرجہ ذیل تمام بحور میں موجود ہے۔

(۱) بحر ہزج مثمن اشتر سالم: فاعلن مفاعلین فاعلن مفاعلین

(۲) بحر رمل مثمن مخبون مسکن: فاعلاتُ، مفعولن فاعلاتُ مفعولن

(۳) بحر مقتضب مثمن مطوی مسکن مطوی، مقطوع (مطوی مسکن) فاعلاتُ مفعولن فاعلاتُ مفعولن

مندرجہ بالا بحور میں سے کس بحر کو مذکورہ شعر کی تقطیع کیلئے ترجیح دینی چاہئے؟

ج: مذکورہ شعر کی تقطیع کیلئے بحر ہزج مثمن اشتر سالم کو ترجیح دینی چاہئے۔ کیونکہ اس میں چار ارکان میں سے دو سالم ہیں۔ (مفاعیلن) اور دو اشتر ہیں (فاعلن)۔ بحر رمل کے وزن کو بھی تقطیع کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مگر بحر ہزج میں دو سالم رکن موجود ہونے کی وجہ سے رمل کے وزن سے تقطیع کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ رمل میں جتنے ارکان ہیں مزاحف ہیں ان میں کوئی بھی رکن سالم نہیں ہے۔

مذکورہ شعر کی بحر مقتضب کے وزن سے بھی تقطیع کی جاسکتی ہے۔ مگر اس وزن سے بھی تقطیع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ مقتضب مرکب بحر ہے اور اس سے پہلے یہ آہنگ مفرد بحروں میں موجود ہے۔

س: ایک شعر میں کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں اور ہر ٹکڑے کے رکن کو کیا کہتے ہیں؟

ج: اگر شعر آٹھ رکنی ہے یعنی دونوں مصرعوں میں چار چار رکن ہیں تو شعر کے پہلے مصرع میں تین ٹکڑے ہونگے اور دوسرے مصرعے میں بھی تین ٹکڑے ہونگے۔

پہلے مصرع کے پہلے رکن کو صدر دوسرے، تیسرے رکن کو حشو اور چوتھے رکن کو عروض کہینگے۔

شعر کے دوسرے مصرع کے پہلے رکن کو مطلع یا ابتداء دوسرے، تیسرے رکن کو حشو اور چوتھے رکن کو

www.urduchannel.in

ضرب یا عجز کہیں گے۔

مثلاً: علاج دردِ دل تم سے مسیحا ہو نہیں سکتا
تم اچھا کر نہیں سکتے میں اچھا ہو نہیں سکتا

تقطیع یوں ہو گی۔

علاجے در / دِ دل تم سے / مسیحا ہو / نہیں سکتا
صدر / حشو / عروض
تمچھا کر / نہیں سکتے / م اچھا ہو / نہیں سکتا
مطلع / ابتدا / حشو / ضرب / عجز

اگر شعر مربع بحر میں ہو تو اس میں حشو نہیں ہوگا۔

س: ہمیشہ چاہتا ہوں درد کا بہانہ کوئی
کہ میرے زخم پہ ہے دستِ غائبانہ کوئی

یہ شعر کس بحر میں ہے اور اس کے ارکان کیا ہیں!

ج: یہ شعر بحر مجتث مثمن مخبون محذوف میں ہے اور اس کے ارکان ہیں
مَفَاعِلُن فَعِلَاتُن مَفَاعِلُن فَعِلُن

س: مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
یک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

فعْلُن فعول ٗ فاعِل ٗ فعْلُن مَفاَ عِلُن
مُسْتَفعِلُن فَعُولُ فعولُن مَفاَ عِلُن
فَعْلُن مَفاعِلاتُ ٗ فَعُولُن مَفاَ عِلُن
مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلُن ۔

مذکورہ شعر مندرجہ بالا اوازن میں سے کس وزن میں صحیح تقطیع ہو گی؟ کچھ لوگ مذکورہ تمام اوزان کو اس شعر کی تقطیع کیلئے جائز بتاتے ہیں۔

ج: اس شعر کی صحیح تقطیع صرف مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن سے ممکن ہے۔ کیونکہ یہ آہنگ بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف میں موجود ہے۔ بقیہ آہنگ کسی بحر میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔

www.urduchannel.in

انعام اللہ خاں یقین

ورود: ۱۷۲۷ء وداع: ۱۷۵۵ء

نہ مرتا میں اگر صدقے ترے جانے کے کام آتا
گر سنہ ناز کا تھا، گالیاں کھانے کے کام آتا

یہ کوہ طور سرمہ ہو گیا سارا ہی کیا کہیے
کوئی پتھر بھی بچ جاتا تو دیوانے کے کام آتا

بتاں خوں کر کے میرا سب لگے آپس میں یوں کہنے
یہ کافر جیو تا رہتا تو بت خانے کے کام آتا

اُڑا دی اس ہوا نے مشتِ خاکِ بے کشاں ناحق
غبار ان کا اگر رہتا تو پیمانے کے کام آتا

لیا گھیر اس یقیں نے عشق کا آتش کدہ سارا
کوئی شعلہ بھی بچ رہتا تو پروانے کے کام آتا

جگر بسوانی

ورود: ۱۸۷۱ء وداع: ۱۹۵۸ء

لبریز ہے غم سے دلِ دیوانہ ہمارا
اے صبر چھلک جائے نہ پیمانہ ہمارا

زندہ رہیں ہم کس کے سہارے شب فرقت
تو بھی نہ ہوا اے غم جاناں نہ ہمارا

جو جاتا ہے اپنا ہی بیاں کرتا ہے قصہ
ان سے کوئی کہتا نہیں افسانہ ہمارا

رویا کیے، دیکھا کیے، کوسا کیے ہم کو
اس طرح وہ سنتے رہے افسانہ ہمارا

جو اس پہ گذرتی ہے جگر جوشِ جنوں میں
ہم سے نہیں کہتا دل دیوانہ ہمارا

www.urduchannel.in

منتخب افسانہ

○ عبدالعزیز خان

تیسرا پتھر

چیتھڑوں کی گٹھری، مٹی کی ہانڈی، ٹاٹ کی خالی بوری، پلاسٹک کا گلاس، ٹین کے گلاس نما چھوٹے سے دوڈبے، دیا سلائی کی ڈبیا، ٹین کے سگریٹ کیس میں رکھی کچھ ریزگاری اور تین پتھر کا چولہا۔ یہ تھی اس کی کل کائنات!

کبھی وہ پیڑ کے نیچے بیٹھی اس چولہے پر چائے پر چائے گرم کرتی نظر آتی، کبھی شیونگ بلیڈ سے سبزی ترکاری کاٹتی یا یونہی بیٹھی جوؤں بھرے کھچڑی بالوں کو کھجلاتی جنہیں مدتوں سے تیل نصیب نہیں ہوا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی وہ پیڑ کے نیچے گٹھری سی پڑ جاتی۔ اکیلی لیٹی پتہ نہیں کیا کیا بڑبڑایا کرتی۔ شاید بیتے دنوں کی باتیں یاد کرتی ہو یا پھر کسی سے شکوے شکایتیں،

''حرامی! چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لیکن میں بھی اس کی پرواہ نہیں کرتی۔۔۔ میں کیا پیسے کی لالچی ہوں؟۔۔۔ پیسہ میں نے بہت دیکھا ہے۔۔۔۔ لالچی سالی۔۔۔ اور تو سالا کیسا حرامزادہ تھا۔۔۔ پیسے کی لالچ میں آگیا۔۔۔ اس کی لاش میں کیڑے پڑیں گے۔۔۔ رامی سڑ سڑ کر مرے گا۔۔۔ میری ہائے ایسی لگے گی۔۔۔۔ پر اس کا کیا قصور۔۔۔ وہ عورت ہی اس کے پیچھے ایسی دیوانی ہوئی تھی۔۔۔۔'' پھر وہ گندی گندی گالیاں بکنے لگتی۔۔۔ راہ چلتے لوگ جو اس کی طرف تو توجہ نہیں دیتے گالیاں سن کر متوجہ ہو جاتے۔۔۔

''یہ غلاظت سڑک پر کیوں ہے؟ ان لوگوں پر کوئی قانون کیوں لاگو نہیں ہوتا؟ کیا یہ مفلسی کے چلتے پھرتے اشتہار حکومت کی نظر میں نہیں آتے؟ جسے دیکھو منہ اٹھائے شہر چلا آتا ہے آخر حکومت اسے روکتی کیوں نہیں''۔ لوگ ایک دوسرے سے اس طرح کی باتیں کرتے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ تمام وقت پیڑ کے نیچے ہی بیٹھی رہتی ہو۔ اکثر وہ آس پاس کی گلیوں میں سڑکوں پر کاغذ چنتی نظر آتی۔ جنہیں وہ ٹاٹ کی خالی بوری میں ڈالتی جاتی۔ بھری دوپہر میں ننگے پیر اسے یوں بھٹکتے دیکھ کر کبھی کسی کو رحم بھی آجاتا۔ کوئی رحم دل شخص جیب سے چار آٹھ آنے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیتا۔

پیسے دیکھ کر وہ اور غصہ ہوتی۔

''جا اپنی میا کو دے۔ مجھے کیا پیسے دکھاتا ہے۔ میں نے کیا کبھی پیسے نہیں دیکھے، بہت دیکھے ہیں پیسے میں

نے۔ تو کیا سمجھتا ہے۔ سالا! پیسہ دے کر احسان جتانا چاہتا ہے۔"
وہ بے چارہ شرمندہ ہو کر چلا جاتا۔ بچے ہنستے۔ کبھی کوئی بوڑھا مذاق بھی کرتا۔
"ارری! تو شادی کیوں نہیں کرلیتی۔ ابھی تو سر کے بال بھی سفید نہیں ہوئے تیرے۔" کوئی اسے مشورہ دیتا۔
اس پر اس کا پارہ چڑھ جاتا۔ مارنے کو دوڑتی۔ اچھا خاصہ تماشا شروع ہو جاتا۔
اس کی عمر واقعی زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل تیس سال ہو گی۔ غور سے دیکھنے پر یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی جوانی رخصت نہ ہوئی ہو اور بڑھاپے نے دستک دے دی ہو۔ بھولے بھٹکے کبھی نہا لیتی، بال سنوار لیتی تو ذرا فاصلے سے دیکھنے والوں کو یہی لگتا کہ کوئی جوان عورت بیٹھی ہے۔ راہ چلتے لوگوں کی نظریں پڑنے لگتیں، قدم خود بخود دھیمے ہونے لگتے۔ مگر ذرا نزدیک سے دیکھنے کے بعد انہیں مایوسی ہوتی۔ اُداس سوکھا مریل بدن، خالی خالی نگاہیں۔ جیسے نئی فصل پانی نہ ملنے کے سبب سوکھتی جا رہی ہو۔ پھر بھی اندازہ ہوتا تھا کہ کبھی اچھی خاصی رہی ہو گی۔ کاٹھیاواڑ کا گٹھیلا بدن اس سوکھے بدن میں کہیں کہیں سے جھانکتا تھا۔

ابھی چند برسوں کی تو بات ہے کہ اس شہر میں وہ ٹوکری سر پر اٹھائے، بجتے کڑوں اور رنگین لہنگے میں اپنے شوہر کے ساتھ گزرتی تھی تو لوگوں کی آنکھیں جھپکنے لگتیں۔ کندن سی چمکتی جلد، سختی اور نرمی کا عجیب سنگم۔ وہ طرح طرح کے فقرے سنتی، اپنے آپ میں مسکراتی اور بے خوفی سے گزر جاتی۔ اپنے شوہر کے ساتھ چلتے ہوئے اسے کبھی خوف محسوس نہیں ہوا، اس کا شوہر بھی کم بانکا نہیں تھا۔ مگر کتنے دن؟ شہر نے اُس کے شوہر کو کئی بری عادتیں سکھا دیں۔ وہ ہر قسم کا رات دن نشہ کرنے لگا۔ ہوش میں آتا تو اسے مارتا پیٹتا اور نشے کے پیسے لے کر ہی ٹلتا۔ ہو اس پر بھی صبر کر لیتی مگر پتہ نہیں کہاں سے ایک واگھرن آ دھمکی۔
واگھرن نے اُس کے شوہر کو اپنا بنا لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی چمک دمک چہرے کی رونق ایک دم اُتر گئی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا خوبصورت گٹھیلا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔
ایک رات دھواں دھار برسات میں لوگ اُس کے شوہر کو نشے کی حالت میں اسؔ کے سامنے لا کر ڈال گئے تو اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی نہ ٹپکے۔ خواب جو وہ گاؤں سے لے کر چلے تھے دھول بن چکے تھے۔ بس اتنا خیال آیا کہ اب وہ اکیلی ہے۔
کتنے موسم بدلے۔ مگر اُس کے دل کی کلی پھر نہیں کھلی۔ وہ بے حس ہو چکی تھی۔ پیڑ کے نیچے بیٹھی رہتی۔ کبھی کاغذ چن کر بیچ آتی۔ کپڑے میلے چکٹ ہو جاتے مگر اُسے اُنہیں بدلنے کا خیال نہ آتا۔ نہائے دھوئے مہینوں ہو جاتے۔ دو ایک بار لفنگے اسے اُٹھا لے گئے۔ زبردستی اُسے نہلایا۔ مگر اُس کے جسم کا کوئی جادو نہیں جاگا۔ پتھر سے کیا بھوگ؟ رفتہ رفتہ لوگوں نے اُس کی طرف توجہ دینا چھوڑ دیا۔ دو چار مرتبہ پولس نے اُسے ذرا دھمکا کر

فٹ پاتھ سے بھگادیا تھا۔ ایک آدھ بار حوالات میں بھی بند کیا تھا۔ مگر وہ پھر وہیں آد ھمکی اور جاتی بھی کہاں؟ ہاں! سیاحوں کی ٹولی گزرتی تو ٹھٹھک کر رُک جاتی۔ مختلف زاویوں سے وہ اُس کی تصویریں لیتے رہتے۔ کئی فوٹو گرافر تو دن بھر اُس کے سامنے ڈٹے رہتے۔ کھٹاکھٹ بٹن دباتے رہتے۔ کبھی کاغذ چُنتے ہوئے، کبھی شیونگ بلیڈ سے سبزی ترکاری کاٹتے ہوئے۔ کبھی دور سے پیڑ کے نیچے بیٹھے ہوئے، کبھی لیٹے ہوئے اُس کی تصویریں کھینچتے رہتے۔ مگر اُسے کب ہوش تھا؟ کبھی کوئی سیاح پانچ دس کا نوٹ پھینک جاتا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک لمحے کیلئے چمک آتی اور بجھ جاتی وہ خالی نگاہوں سے سیاح کو تاکتی اور پھر کام میں لگ جاتی۔

ایک بار کالج جاتی ہوئی ایک شوخ لڑکی نے ایک سیاح سے یونہی پوچھ لیا، جو بڑی دیر سے اُس کی تصویریں کھینچ رہا تھا۔

"آپ کو اُس عورت میں کیا خاص بات نظر آئی ہے؟"

سیاح مُسکرایا اور بولا،

"What a piece of art. This is real India.
The land of Buddha, Ashoka, Gandhi. Great
preachers of non-violence. Even the famous
Monalisa cannot surpass this elegr in rags....."

ایک روز صبح سویرے اٹھی تو چولہے کے پتھر دکھائی نہیں دیے۔ تلاش کرنے پر دو پتھر تو نزدیک ہی پڑے مل گئے۔ مگر تیسرا پتھر جانے کون لے گیا تھا؟

سڑک کی دوسری طرف ایک نئی عمارت بن رہی تھی۔ اُس نے سوچا وہاں اُسے کوئی مناسب پتھر مل جائے گا۔ سڑک پار کر کے وہ اُس طرف گئی پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اُس نے اپنی ضرورت کے مطابق ایک پتھر تلاش کرلیا اور جب لوٹی تو دیکھا پیڑ کے نیچے اسکول کے بچے کھیل رہے ہیں۔ اُن کی ٹھوکروں سے ہر چیز بکھر گئی ہے۔ مٹی کی ہانڈی ٹوٹی پڑی ہے۔ ٹین کا گلاس نما ڈبا اُلٹا پڑا ہے اور دودھ بہتا ہوا مٹی میں جذب ہو رہا ہے۔ سبزی ترکاری راہ گیروں کے پیروں تلے کچلی جا رہی ہے۔

اور وہ اپنی چیزوں کو اُداس نگاہوں سے تاکتی رہی!

☆☆☆☆

www.urduchannel.in

نظمیں

راجیندر بہادر موجؔ

یہ کیسا وقت ہے کیا دل لگی ہے
خدا اور رام میں رسہ کشی ہے
جو مندر اور مسجد میں ٹھنی ہے
سیاست کی یہ سب جادوگری ہے
وہیں مسجد وہیں مندر بنے گا
نہ جانے عقل کیوں پتھرا گئی ہے
عبادت گاہوں میں تفریق کرنا
یہ ہے توہین مذہب کافری ہے
وہ مسجد کی ہو یا مندر کسی کی
مگر بے حرمتی بے حرمتی ہے
ہے مقصد ایک ہی دیر و حرم کا
الگ رستے ہیں منزل ایک ہی ہے
کسی بھی نام سے اس کو پکارو
مگر معبود سب کا ایک ہی ہے
خدا اور رام کے بندوں میں پھر بھی
غلط فہمی سرایت کر گئی ہے
روا کس دھرم میں ہے خونِ انساں
ستم کاری کہاں جائز ہوئی ہے
گلا کاٹو جلاؤ مسکینوں کو
فریضہ یہ انوکھا مذہبی ہے
عبادت گاہوں سے تبلیغ شر ہو
معاذاللہ یہ کیا بندگی ہے
پڑوسی سے پڑوسی کو ہے نفرت
جہالت کس قدر پھیلی ہوئی ہے
ہیں پھیکے قومی یک جہتی کے نعرے
شرافت کی فضیحت ہو رہی ہے
شعورِ مذہبی سب کو عطا ہو
خدا سے التجا میری یہی ہے
میں بندہ رام کا اور کرشن کا ہوں
محمدؐ سے عقیدت بھی وہی ہے
سہارا موجؔ ہے ہم کو خدا کا
کہ اب طوفاں میں کشتی آ گئی ہے

عرفانِ ذات

ڈاکٹر نریش

قبول مجھ کو
کہ اس نظم شش جہات میں میں
حقیر اتنا کہ کمتر ہوں ایک ذرے سے
نہ کچھ بساط ہے میری نہ حیثیت میری
بغیر میرے مگر نظم شش جہات ہے کیا
یہ کائنات منظم ہے ایسے ذروں سے
حقیر ہیں جو بظاہر
مگر ہے ان میں نہاں
اسی کے نور کی ضو
جس نے کہہ کے کن اک دن
بہم کیے تھے میرے جیسے ان گنت ذرے
عطا کیا تھا وجود ان کو زندگی دے کر
بساط ہو کے نہ ہو میری کچھ مگر پھر بھی
میں ایسا جزو ہوں اس کاروبارِ دنیا کا
کہ جس کا کوئی بدل ہی نہیں بنایا گیا

دوہے

بھگوان داس اعجاز

میں پتھر بنیاد کا ، ناداں مجھے نہ چھیڑ
میرے سینے پر اگا ، گر جائے گا پیڑ

بھاری ہے اس ماس بھی، بیرن ماوس رات
مائی کے سورج بکے، دن بھر ہاتھوں ہاتھ

لوگ آپس میں کٹ مرے، دیس ہو گیا دھول
دیکھا ! آدھی اینٹ نے کتنا پکڑا طول

سچ پوچھو ہمزات ہی ہوتے ہیں بد ذات
مائی مائی سے بھڑے ، بڑے شرم کی بات

بٹوارہ ایسا ہوا، بجی اینٹ سے اینٹ
گھر کی اُس اک اینٹ پر پڑی خون کی چھینٹ

کیسی آزادی ملی ، ہوا اثاثہ راکھ
خانہ جنگی میں مرے، بد نصیب دس لاکھ

سندھ گیا پنجاب بھی اور آدھا بنگال
ملک بٹا جیسے بٹے ، مرے باپ کا مال

دونوں کو مہنگے پڑے، اک گھر کے دو دوار
یہاں نہ وہ گلیاں رہیں، وہاں نہ وہ بازار

رُباعیاں

فراخ روھوی

لیلیٰ نہ کہیں ہیرؔ کی کی ثانی دیکھی
الفت کی کہیں بھی نہ نشانی دیکھی
ہر موڑ پہ بمبئی کی حسیں بانہوں میں
ہم نے تو بس "اک رات کی رانی" دیکھی

بے رد کو ہمدرد کہوگے کب تک
تم لوگ اندھیرے میں رہوگے کب تک
انسان اگر ہوتو زبان بھی کھولو
ہر ظلم کو چپ چاپ سہوگے کب تک

یہ چرب زبانی یہ سیاست توبہ
یہ ہم سے دکھاوے کی محبت توبہ
کرسی نہ نکل جائے کہیں ہاتھوں سے
رو رو کے سر عام یہ منت توبہ

کیا اس کی ہے اوقات ، بتادیتا ہے
سر اُس کا زمانے میں جُھکا دیتا ہے
مغرور پرندے کو عذابِ قدرت
اک روز بلندی سے گرا دیتاہے

بڑی زبان کا زندہ رسالہ

سہ ماہی ذہنِ جدید

ترتیب: زبیر رضوی

ملنے کا پتہ: پوسٹ باکس نمبر 9789 دہلی 110025

ڈاکٹر مناظر عاشق ھر گانوی کی ایک اور پیش رفت، کہہ مکرنیوں کا پہلا جامعہ انتخاب

"سکھی ساجن" شائع ہوگیا

قیمت :سوروپے

ناشر: نرالی دنیا پبلیکشنز 358 اے، بازار دہلی گیٹ دریا گنج، نئی دہلی ۲

www.urduchannel.in

شہاب اختر

کرکٹ

کرکٹ ان دنوں
کروڑوں لوگوں کی پسند ہے
دنیا کے وقتوں کا
بہت سا حصہ
لے جاتا ہے
کرکٹ
کرکٹ ایک کھیل ہے
جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے
ہمارے ملک میں
یہ کھیل نشہ ہے
ایسا نشہ
جو بہت سارے اہم کاموں کو
بے معنی کرتا ہے
اپنے ملک میں ان دنوں
تینڈولکر اور اظہر کا جواب نہیں
وہ لوگ
اچھی کرکٹ کھیلتے ہیں
اور سمجھاتے ہیں
PEPSI میں کامیابی ہے

میرے ہو جاؤ

ایک نشہ ہے طاری
تیری تصویروں کو جو دیکھا ہے
یہ تصویریں پہلے میں
ریت پر
اپنی انگلیوں سے بنایا کرتی تھی
اب دل
بیمار رہتا ہے
ہوائیں
تیز چلتی ہیں
دل چاہتا ہے
سمیٹ لوں تمہیں
کوئی نماز کی دعا کام آ جائے
تم آؤ
اور میرے ہو جاؤ

○ قمر صدیقی

سٹیلائٹ چینل کا دروازہ کھلتا ہے

آج کا دور تہذیبی انحطاط کا دور ہے
کمپیوٹر، انٹرنیٹ، سائبر اسپیس کا دور ہے
ایم ٹی وی مائکل جیکسن، میڈونا، شاہ رخ خان، مادھوری دکشت کا دور ہے تہذیب میں غیر تہذیبی پن
Non Calurism in Calure کا دور ہے سیارہ جاتی انقلاب کا دور ہے،
مصنوعی سیاروں انسیٹ A B C D کا دور ہے۔
آج کی دنیا پوری طرح انھیں مصنوعی سیاروں کے زیرنگر ہو کر رہ گئی ہے ہم نے زمین سے رشتہ توڑ کر آسمان سے استوار کر لیا ہے۔
زمین کی تہوں سے آتا ہوا کنویں کا پانی، صراحی، گھڑے، برتن پیڑے پودے، چولہے، چھالیاں، سروطے اور پاندان، آتش دان اور انگھٹیوں میں روشن آگ، بزرگوں کی قبریں، مزار، ہولی کے رنگ، مجلسیں، مندوروں کی گھنٹیاں اور مسجدوں کی اذانیں، نیم کے پیڑ چوپالیں، حقے، کھیتوں اور کیاریوں میں دوڑتا رہٹ کا پانی، پگڈنڈیوں پر ناچتے مور اور دیگر چرند پرند، سفید بیلوں کی طاقتور جوڑیاں، گائے بھینس کے دودھ، آم امرود کے موسم، جوار باجرہ، مکی، گنے اور گیہوں کے کھیت، جیٹھ، اساڑھ، ساون بھادوں، کنوار کارتک، پوس ماگھ، گنگا جمنا اور ہمالیہ، شیشم کی چمکتی ہوئی سرخ لکڑی سے بنے رتھ، رامائن، مہابھارت تاتاری اور مغل........
سٹیلائٹ چینل کا دروازہ کھلتا ہے
ہزاروں برس پرانی تاریخ کا پتہ ملتا ہے

رام ..... ارون گوئل
بہادر شاہ ظفر .... اشوک کمار
ٹیپو سلطان..... سنجے خان

ہماری تہذیب کی نمائندگی اب الیکٹرانک میڈیا کے یہ اسٹار کر رہے ہیں۔ کھیت کھلیان، اب فلموں میں دکھائی دیں تو اچھا لگتا ہے، کنواں، صراحی گھڑے برتن پیڑ پودے...... پگڈنڈیوں پر ناچتے مور.... جوار باجرہ

www.urduchannel.in

رامائن، مہابھارت، تاتاری مغل اب الیکٹرانک میڈیا سے ہوتے ہواتے سیاسی پارٹیوں کے بینروں پر دکھائی دینے لگے ہیں اور ہماری تہذیب کسی بیوہ کے مانند الیکٹرانک میڈیا اور سیاسی پارٹیوں کے در پر جھاڑوں پونچھا کرتی نظر آرہی ہے۔

برصغیر ہندوپاک کی آزادی کے بعد جب صنعتی ترقی نے پاؤں پسارنا شروع کیا تو ہمارے تہذیب کے یہ استعارے داستان الف لیلی کی پریوں کی طرح ایک ایک کر کے ہماری زندگی سے غائب ہونے لگے۔ ٹریکٹر کی آمد سے سفید بیلوں کی طاقتور جوڑیاں روٹھ کر کہیں غائب ہو گئیں ۔گائے بھینس کا دودھ امول ڈبہ بند پاؤڈر دودھ میں تبدیل ہو گیا۔ چھالیہ، سروطے اور پاندان کی جگہ پان پراگ اور مانک چند اور چمچاتے پاؤچ والے دیگر گٹکھوں نے لے لی۔ جیٹھ، اساڑھ، ساون بھادوں، کنوار، کارتک اور پوس جنوری، فروری، مارچ، اپریل یا پھر ولینٹائن ڈے، اپریل فول، کرسمس میں بدل گئے۔ مندروں، مسجدوں، مزاروں کے بدلے تھیٹر اور ناچ رنگ کی محفلیں سجنے لگیں، گنگا جمنا، ہمالیہ، رامائن، مہابھارت تاتاری مغل.... بی جے پی کے الیکشن مینو فیسٹو میں دکھائی دینے لگے۔

ہرچند کہ تہذیب کوئی جامد شے نہیں ہے اور ارتقاء اس کا مقدر ہے مگر کیسا ارتقاء کہ اگر لباس اور لسانیات کی ہی بات کریں تو آج ایک لباس سلایا کل وہ آوٹ ڈیٹ (پرانا) ہو گیا اور بمبئی میں لسانیات کا کیا حال چال ہے۔ اس سے تو ہر ذی ہوش واقف ہے۔ لہٰذا آج کی سب سے اہم ضرورت تہذیبی ارتقاء کی رفتار اور سمت پر نظر رکھنا ہے جس کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں ہے۔

میرا دیش مہان

جنتا جیسے پسے پسان ، پھر بھی میرا دیش مہان
سو میں نوے بے ایمان ، پھر بھی میرا دیش مہان
جاتیواد کا منڈل ہے ، باقی سب کچھ بنڈل ہے
رابڑی ، گوڑا ، ملائم پر بھاری پڑا کمنڈل ہے
بھاری پڑا کمنڈل ہے -------
جاگو! ہے اللہ بھگوان ، سسک رہا ہے ہندوستان
گاندھی جی گالی کھاتے ہیں، بیکار ہوگیا سب بلیدان
بیکار ہوگیا سب بلیدان--------
پٹنہ میں للوا پگلان، پھر بھی میرا دیش مہان
سو میں نوے بے ایمان ، پھر بھی میرا دیش مہان

سریش مسر (روزنامہ یشو بھومی)

برطانیہ میں رسالہ شاعر کے ہم عصر اردو ادب نمبر کو راوی ایوارڈ

۱۵ مئی ۱۹۹۹ء شام ٦ بجے ہفت روزہ راوی (برطانیہ) کے زیر اہتمام راوی ہال (بریڈ فورڈ) میں ایک یادگار تقریب منعقد ہوئی جس میں ماہنامہ 'شاعر (بمبئی) کے فقید المثال 'ہم عصر اردو ادب' نمبر کی کامیاب اشاعت پر ایک خصوصی ادبی ایوارڈ دیا گیا۔ تقریب کے مہمان خصوصی، برطانیہ کے اولین اردو اخبارات ہفت روزہ مشرق، (لندن) میں مقیم مشہور شاعر اطہر راز اس پروقار ادبی تقریب میں شریک ہوئے۔ بریڈ فورڈ میں اردو ہفت روزہ راوی کے شیدائیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ واضح رہے کہ ماہنامہ شاعر کے مدیر افتخار امام صدیقی ہیں اور معاونین میں ناظر نعمان اور حامد اقبال صدیقی ہیں۔ رسالہ ستر سال سے کشتِ اردو کی آبیاری کر رہا ہے۔

امتیاز علی، لکھنؤ دوردرشن کے اسٹیشن ڈائریکٹر

ممبئی کے ادبی حلقوں میں امتیاز علی ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ممبئی دوردرشن پر اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائریکٹر کے عہدے پر جب تک وہ فائز رہے ادبی حلقوں کو ٹیلی ویژن کے ذریعے متعارف کرواتے رہے۔ ان کی ڈائریکشن میں تیار ہونے والے ادبی پروگرام، مباحثے مشاعرے وغیرہ خاصے معیاری ہوا کرتے تھے۔ اب امتیاز علی کا تبادلہ لکھنؤ دوردرشن پر ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے شاید اب ہم ممبئی والے اچھے اور معیاری ادبی پروگراموں سے محروم ہو جائیں مگر اب لکھنؤ والوں کے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ انھیں ایک لائق اور تجربہ کار اسٹیشن ڈائریکٹر (دوردرشن) نصیب ہوا ہے اور جو کی خدمت کے لئے دل و جان سے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

ڈاکٹر جاوید رفاعی کی ترتیب میں
ہر ماہ شائع ہوتا ہے
ماھنامہ روپ رس
II کراس 45/2 پٹھان بلڈنگ
شیواجی نگر بیلگام 16

حاجی انیس دہلوی کا شعری مجموعہ
قدم به قدم
شائع ہو گیا ہے
قیمت: 60 روپے۔ ڈیلکس: -/120
رابطہ: 2936 رہبر کار ترکمان گیٹ دہلی۔6

www.urduchannel.in

خطوط

انتہائی سلیقے سے پرچہ نکالا ہے

آپ لوگوں نے انتہائی سلیقہ سے پرچہ نکالا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں اردو چینل معیاری ادبی جرائد کی صف میں نمایاں حیثیت حاصل کرے گا۔

ظفر اقبال ظفر

دستاویزی آئینہ ہے

پرچہ کی تمام مشمولات دستاویزی آئینہ ہیں جسے دیکھ کر ہمارا سر شرم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جھکتا رہے گا۔ مسجد تو ٹوٹ گئی لیکن مندر بھی نہیں بنے گا۔ رام مندر کی ڈھنڈورہ پیٹنے والوں کو اب لینے کے دینے پڑرہے ہیں۔ اقتدار کی بھوک ستارہی ہے کرسی کھسکتی نظر آرہی ہے۔ لیکن دوسری پارٹیوں کی پوزیشن بھی بہتر نہیں دکھائی دیتی ہے۔

اک گاڑی دو سوار تھی، دونوں شاطر چور
دو گھوڑے پورب بھتے۔ دو پچھم کی اور

بھگوان داس اعجاز

786 لکھنے پر

اردو چینل چونکہ یہ ایک ادبی رسالہ اس لئے مختلف مذاہب کے افراد بھی اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اردو کا مزاج سیکولر ہے۔ لاریوں اور بسوں پر 786 لکھنے کے باوجود اسکا عملہ شراب اور دوسری خرافات میں مبتلا ہوکر آخر کس کا مذاق اڑاتے ہیں؟

الحمداللہ میں مسلمان ہوں لیکن بسم اللہ یا آسمانی کتاب کی کوئی آیت ایسی ویسی جگہ لکھنے کا قائل نہیں۔ آپ کا رسالہ مذہبی تو نہیں کہ ادب و احترام کے ساتھ ساتھ وضو کا بھی اہتمام کیا جائے۔ غزل کی حمایت میں مجروح صاحب کا اشعار اور اختر الایمان مرحوم کی تحریرے حیرت ہوئی۔ محمد حسن نے مجروح سلطانپوری صاحب کی اس رائے (مولانا علی میاں اور اعتماد) پر سوالیہ نشان کھڑا کردیا ہے۔ جسے ہم جیسے غیر ترقی پسند اُجڈ گنوار "احترام" کہتے ہیں۔ مجروح صاحب کا رشتہ اپنی مٹی سے بہت مضبوط ہے۔ ان کے نزدیک ترقی پسندی کا نام مذہب بیزاری نہیں۔ پھر بھی ڈاکٹر محمد حسن صاحب کے لئے احتیاطاً عرض ہے کہ مولانا علی میں نے جعفر شریف صاحب کو استعفےٰ دینے سے روکا ہوگا تو یقیناً کوئی نہ کوئی اہم بات ضرور ہوگی۔

محمد یعقوب الرحمن

www.urduchannel.in

وحید اختر نے خوب چوٹ کی

"اردو چینل" کا تازہ شمارہ ہندوستان کے سیاہ تاریخ کا دستاویزی ثبوت بن کر ملا۔ادیب یا شاعر ظاہر ہے خلا میں نہیں رہتا۔اسی سماج کا ایک سوچتا ہوا ذہن بولتا ہوا دماغ دھڑکتا ہوا دل اور کیمرہ جیسی آنکھ لے کر گھومتا ہے۔بابری مسجد کا حادثہ کوئی بھولنے کی چیز تھوڑی ہے۔اس حادثے کے ذمہ دار قدم قدم پر بے وقار ہو رہے ہیں۔

شمیم طارق کا اداریہ سے لے کر اشتیاق سعید کی کہانی "منظر پس منظر" ہر سطر ہر نظم کا مصرع سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔خاص طور پر مجروح کا انٹرویو بہت حیرت ناک ہے۔مجروح کی نظر میں گویا "ارض ماسکو" قبلہ کا درجہ رکھتی تھی اس انٹرویو کے بعد ایسا لگتا ہے "تحویل قبلہ" عمل میں آیا ہے۔انہوں نے ایک سوال کے جواب میں یہ پتے کی بات بتائی کہ "مسلمانوں میں اتحاد ضروری ہے۔اور مسلم لیڈر شپ کا فقدان بھی اغیار کے حوصلے بڑھا رہا ہے۔

جناب رہبر جونپوری کی پابند نظم "شکست جمہور" بہت دل کو چھونے والی ہے۔عبید اعظمی کا یہ شعر فرقہ پرستوں کے زوال کی پیشن گوئی ثابت ہوا۔

یہ ظلم عبید اعظمی کب ٹھہرا ہے تادیر
جو مارتا پھرتا ہے وہ مر جائے گا اک دن

سیتارام یچوری کی طرح یقیناً کچھ لوگ ہیں جو بابری مسجد کی مسماری پر شرمندہ و شرمسار ہیں۔

وحید اختر انصاری نے علامہ کے شعر کے حوالے سے خوب چوٹ کی ہے۔مسئلے کو نوعیت کو سمجھنے والے تو ہیں اس پر عمل کرنے یا کروانے والے نہیں ہیں۔مسئلے کو غلط رخ سے دیکھنے والوں نے زہریلے دماغ تیار کئے۔ورنہ یہ حادثہ نہ ہوتا آفتاب عالم نے سچ کہا کہ اب 'یہ زخم تا قیامت نہیں بھر سکتا' "جے شری بھگوان" بہت اچھی کہانی ہے۔ہر حق گوئی کو یونہی Deface کر دیا جاتا ہے۔

رؤف خیر

شمس الرحمٰن فاروقی کے تنقیدی خیالات

آپ کا یہ چھوٹا سا رسالہ اپنے آپ میں ایٹم بم سے کم نہیں۔

آپ نے چند اچھی بحثیں شریک کی ہیں۔

"اردو غزل ایک بحث" میں اختر الایمان کے قول سے اتفاق نہیں رکھتا۔اگر غزل کا زوال آ گیا ہے تو شہریار،عرفان صدیقی،مظہر امام،صدیق مجیبی، اویس احمد دوراں کی فکر انگیز اور اسلوب کے اعتبار سے پر کشش غزلیں کیا کہی جائیں گی۔ان کے علاوہ بھی بہت سے اچھے غزل گو آج موجود ہیں۔بلکہ نئی نسل کے شاعروں نے تو غزل کی روایت میں جان ڈالی ہے۔اختر الایمان کی رائے کو میں کوئی وقعت نہیں دیتا۔ان ہی کے ایک ہم عصر اور نسبتاً سینئر

شاعر ن م راشد غزل کے بارے میں اچھے خیالات رکھتے تھے۔ فیض کی غزل اور نظم دونوں ہم مرتبہ ہیں۔ میراجی جو نظم کے شاعر تھے انہوں نے بھی غزلیں لکھی ہیں مگر کبھی اختر الایمان کی طرح کوئی اختلافی بیان نہیں دیا۔ اختر الایمان ایک تنگ نظر شاعر تھے میں یہ بات ان کے ادبی خیالات کے سیاق وسباق میں لکھ رہا ہوں،

"اردو غزل ایک بحث۔ قمر صدیقی بہت کا آمد اور معنی خیز ہے۔ قمر صدیقی کے خیالات کے عقب میں شمس الرحمٰن فاروقی کے تنقیدی خیالات صاف نظر آتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات صد فی صد درست لکھی ہے کہ جو حضرات مغربی تنقید کے اسیر ہو کر غزل یا ہمارے دیگر قدیم اصناف سخن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں انہیں فن پارے کے طرز وجود یعنی Ontology پر ایک بار پھر سے غور کرنا چاہئے۔ غزل کے خلاف حالی اور کلیم الدین کے ناعاقبت اندیش تنقیدی رویوں نے پورے اردو ادب کا ماحول پراگندہ کردیا۔ یہ دونوں اردو کے بلند قامت نقاد تھے۔ حالی نے غزل کے مضامین کی پامالی پر اظہار افسوس کیا تھا اور غزل سے نظم کی طرف شاعری موڑدی۔ کلیم الدین احمد کی تنقید کا کوئی بھی کل سیدھا نہیں تھا۔ وہ مغربی تنقید کے علم بردار تھے۔ اس لئے انھیں غزل کے وجود پر ہی غصہ آیا۔ لیکن غزل کی بحالی میں جتنی محنت شمس الرحمٰن فاروقی، سلیم احمد، ناصر کاظمی ۔۔۔ نے کی ہے۔ وہ اتنی بار آور ثابت نہیں ہو رہی ہے کیوں کہ ادب کے ماحول پوری طرح گندہ کردیا گیا ہے۔ آج کا نیا شاعر (شہاب اختر کی طرح) اپنی روایت کو مڑ کر دیکھنا پسند نہیں کرتا اور ادبی اسٹنٹ بازی میں کہے گئے جملوں کی روشنی میں اپنی شاعری کی پلاننگ کرتا ہے۔ موجودہ ادبی منظر نامے میں مجروح سلطانپوری کی شخصیت ایسی سبق آموز ہے کہ شہاب اختر کوان سے سیکھنا چاہئے۔ مجروح صاحب کو ترقی پسندوں نے غزل کہنے کے جرم میں کتنا ذلیل کیا۔ کیا کیا لقب نہیں دئے گئے۔ لیکن مجروح صاحب نے غزل ترک نہیں کی۔ وہ مسلسل شعر کہتے رہے ۔ آج غزل کی بازیابی کا دور ہے۔ غزل پوری طرح واپس آچکی ہے۔ آج بھی نقاد شاعروں سے زیادہ غزل کے شاعروں پر ہی قلم اٹھاتے ہیں۔ ایم اسلم کا خالی پہلی بہت پسند آیا۔ اس کالم کو جاری رکھیں۔

جمال اویسی

چھوٹے سے گلدستے میں رنگ برنگے پھول

اس چھوٹے سے گلدستے میں رنگ برنگے پھولوں کی اپنی الگ الگ خوشبو ہے۔ جو قارئین کو بے ساختہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور بار بار سونگھنے کی دعوت دیتی ہے۔ بابری مسجد نمبر پڑھنے کو

نہیں ملا۔ اگر معلوم ہوتا تو اس نمبر کیلئے ضرور کچھ نہ کچھ لکھتا۔ بابری مسجد کے المیہ کو نہ ہی تاریخ ہی فراموش کر سکے گی اور نہ یہ کوئی مخلوق۔ بہر حال مجھے افسوس ہے کہ اس نمبر میں حصہ نہیں لے سکا۔
خیر فروری مارچ کا شمارہ ہر پہلو سے معیاری عمدہ ہے۔ غزلوں، نظموں اور افسانوں کے علاوہ اردو غزل ایک بحث، ادب میں ہم عصری کیا ہوتی ہے اور اسلامیات میں تانیثیت اور اسلام بہت پسند آئے۔

مدھوش بلگرامی

ادبی معیار بہت بلند ہے

اردو کے لئے آپ کی پر خلوص خدمات قابل ستائش ہے۔ پرچہ ہر اعتبار سے بہت پسند آیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا ادبی معیار بہت بلند ہے۔ پرچہ کی مزید ترقی و کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔

نفیس بانو

غزل اردو کی تہذیب ہے

مضامین نظم و نثر و قیع اور معلومات افزاء ہیں خصوصی طور پر تانیثیت اور اسلام ترقی پسند تحریک کی حمایت کرنے والوں نے غزل کو معتوب ٹھہرایا تھا۔ لیکن اس سے نہ تو غزل پر کوئی اثر پڑا اور نہ ہی غزل کہنے والوں پر اکیسویں صدی میں ممکن ہے کہ غزل اردو ادب کی آبرو بن جائے۔ ویسے بھی غزل اردو کی تہذیب ہے جیسے ہائیکو جاپانی کی اچھی اور بڑی شاعری صنف کو اعتبار دلاتی ہے۔ نہ کہ صنف شاعر کو بڑا۔ خیر اردو چینل کے روز افزوں ترقی اور اس کے نکھار کو دیکھ کر آپ لوگوں کیلئے دل سے دعا نکلتی ہے۔

ساجد حمید

اردو چینل دیکھ کر حیران ہوا

اردو چینل دیکھ کر حیران ہوا یہ تو پارہ صفت رسالہ ہے۔ ہاکا پھاکا مگر بیحد وزن دار، بحث سے لیکر خطوط تک ہر شعبہ مکمل و اعلیٰ معیاری ہے اور ورق ورق آپ کی مدیرانہ صلاحیتوں ترتیب و انتخاب کا داد طلب ہے میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجئے۔

رئیس الدین رئیس

ایک گرانقدر یادگار نمبر

ماہنامہ اردو چینل کا بابری مسجد نمبر اپنے ایک عزیز ڈاکٹر سہیل احمد زیدی کی وساطت سے دستیاب ہوا۔ یہ شمارہ اتنی تاخیر سے نگاہ سے گذرا کہ اس کے متعلق کچھ کہنا بے محل سا معلوم ہوتا ہے تاہم اتنا کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ "خاص نمبر" اپنی اہمیت اور افادیت کی بنا پر ایک گرانقدر یادگار نمبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور محفوظ رکھنے کے لائق ہے۔ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عزیمت اور استقاعت عطا فرمائے اور آپ خوب تر نمبر شائع کرتے رہیں۔

حباب ہاشمی

یہ شمارہ مضمون سے خالی ملا

رسالہ حسن صوری و معنوی دونوں سے آراستہ ہے، کوشش کیجئے کی ادبی صورت حال پر زیادہ سے زیادہ مواد شامل اشاعت ہو نہ جانے کیوں یہ شمارہ مضمون سے خالی ملا؟

خالد عبادی

عبدالنبی عزیزی کا پوسٹ مارٹم بہتر ہے

شاعری کی بنیاد ردہم پر استوار ہے۔ اور یہ ردہم غزل میں نظم میں ہو یا کہ نثری شاعری میں جھلکے بہر حال شاعری ہے۔ اردو میں غزل ہمیشہ حاوی صنف رہی ہے۔ اس سے الگ بھی کچھ تلاش کرنے کی ضرورت تھی۔ چند ادھر بھی آئے۔ یورپ میں Prose Poetry پر کوئی واویلا نہیں ہوا۔ رگ وید ہو یا قرآن یہ ردہم کی شاعری ہے، یہ غزل جیسی صنف نہیں۔ ان کتابوں میں شاعری گیت کی شکل میں تھی۔ Solo بھی تھا اور Chorus بھی۔ اردو شاعری میں غزل سے والہانہ لگاؤ رہا ہے۔ اور غزل کی برتری رہی ہے۔ جس کی وجہ سے دیگر صنف سخن کو برداشت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں غزل کو وحشی اور نیم وحشی صنف سخن نہیں کہتا بلکہ صرف یہ کہتا ہوں غزل کے علاوہ دیگر صنف سخن کو بھی اپنی جگہ بنانے میں مثبت نظریہ رکھا جائے۔ ویسے اردو غزل میں فارسی اور عربی آہنگ سے مجھے ٹھیس پہنچی ہے۔ ہم نے اپنا آہنگ بھی نہیں پیدا کیا۔ ویسے یہ بحث کی شروعات اچھی ہے، دیکھئے ابھی کیا کیا سامنا آتا ہے۔

ادب میں ہم عصری کے تعلق سے گفتگو بہت اہم نہیں۔ رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ کا یہ فرمان ہی درست ہے کہ مجھے نوشیرواں عادل کا ہم عصر ہونے پر فخر ہے۔ اسلامیات کا سلسلہ بہت بہتر ہے اور یہ مضمون تو بے حد جاندار ہے۔ اسلام میں عورت اور مرد میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ پیدائش سے جنسی فرق رکھا گیا ہے اور پھر جو تقسیم روا رکھی گئی ہے وہ آج بھی ہم غور کریں۔ تو سارے مسائل کا حل بن جاتی ہے۔

شہاب اختر

شمس الرحمٰن فاروقی کے نظریات کی تائید میں

تازہ شمارہ دل فریب نہیں ہے۔ بابری مسجد سے وابستہ توقع متاثر ہوئی کہ آپ کے پاس بہتر تخلیقات کی فراہمی کے وسائل ہیں، انھیں بروئے کار لائیے، ورنہ کمزور چیزوں کی اشاعت کا جواز کیا ہے؟ خاص طور سے اس دفعہ شعری حصہ تو بہت گیا گذرا ہے غلام مرتضیٰ راہی، ظفر اقبال ظفر، ارتضیٰ نشاط اور اسمٰعیل غازی پوری سے بھرم باقی رہ گیا۔ شاہد لطیف کی ایک مخنی سی غزل ترسیل ممبئی میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی کے نظریات کی تبلیغ اور ان کی تائید میں آپ

کا مضمون بہت تیغ دلائل کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ آپ نے بلاشبہ یہ معرکہ سر کیا ہے۔ آپ کو مبارکباد۔

زبیر شفائی

انکی مخالفت سوالیہ نشان بن جاتی ہے

ایک دبلے پتلے، چھوٹے سے رسالے میں بھی اتنا PROVOKE کرنے والا مواد اتنی خوبصورتی اور نفاست سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ دیکھ کر حیران بھی ہوں اور خوش بھی، بحث یعنی پہلے کالم سے جو دلچسپی قائم ہوتی ہے۔ وہ آخری کالم تک برقرار رہتی ہے۔ کسی رسالے کے لئے یہ بڑی بات ہے ۔خدا آپ لوگوں کو نظر بد سے بچائے۔

مجھے خاص طور پر بحث ، گفتگو ،اسلامیات ،پوسٹ مارٹم، علم عروض اور خالی پہلی جیسے کالم زیادہ اچھے لگے۔ اختر الایمان غزل کی مخالفت کریں تو بات سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔ غزل کی بات نکلی ہے تو میں بتاؤں کہ اس شمارے میں مجھے شاہد لطیف کی غزل کے اشعار خصوصی طور پر پسند آئے۔انہیں میری طرف سے مبارکباد، ہاں!اردو چینل میں شائع ہونے والی غزلوں کے آخری میں ان کی بحر یاوزن بھی شائع ہو جائے تو یہ ایک نئی چیز ہوگی اور کار آمد بھی۔ یہ کام آپ کر سکتے ہیں اس لئے مشکل نہیں۔ علم عروض والا سلسلہ بھی نئے لوگوں کے لئے بے حد سود مند ہوگا کیونکہ کچھ دنوں کے بعد اس فن کو جاننے والے بہت کم لوگ باقی رہ جائینگے۔اسکولوں کا سلسلہ تو پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔

عالم خورشید

گفتگو اور بحث کا سلسلہ جاری رکھے

مختلف عنوانات کے تحت آپ نے ادب اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو کامیابی کے ساتھ سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ گفتگو اور مباحثے کا سلسلہ جاری رکھئے۔

راشدانور راشد

صدق اور خلوص کی تعریف نہ کرنا گناہ ہے

مجموعی طور پر یہ نمبر اچھا بلکہ بے حد اچھا ہے کیونکہ صدق اور خلوص کی تعریف نہ کرنا بھی گناہ ہے۔اس نمبر میں دیگر مندرجات کے علاوہ جو مضمون مجھے خصوصی طور پر پسند آیا وہ وحید اختر انصاری صاحب کا ہے ۔ انہوں نے جس خوبصورتی اور بے جذباتی ہوئے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا وہ میرے نزدیک ہر صالح شعور رکھنے والے کو قبول ہونا چاہئے۔ زخم کو چاٹنے کی بجائے زخم کا علاج ضروری ہے۔

کرشن کمار طور

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

تازہ شمارے میں پرکاش فکری کا مراسلہ فکر انگیز ہے ملک کی تقسیم ایک اندوہناک سانحہ ہے اور اس کے لئے بھارت کے مسلمانوں کو منافرت اور

جارحیت کی صورت میں خمیازہ نسلاً بعد نسل بھگتنا پڑسکتا ہے۔ بقول شاعر

"لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی"

ملت اسلامیہ کی جان و مال، تاریخ و تمدن اور زبان و ادب کے خلاف تشدد اور تخریب کاری کی اس لہر میں کیا سید شہاب الدین کیا ظفریاب جیلانی، سب تنکے کی طرح ہچکولے کھاتے نظر آتے ہیں۔ پرکاش فکری نے ان حضرات کو شاید "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کہنا چاہا ہے۔ برادرم ایم اسلم کو چاہئے کہ وہ طنز و مزاح کی لطافت کو تمسخر اور استہزا کی کثافت سے آلودہ نہ کریں۔ باقی ان کے رشحات قلم میں تیکھے اور نوکیلے پن کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

'بحث' کے کالم میں اختر الایمان مرحوم کے ارشاد گرامی کہ غزل اپنے نقطۂ سیری (Saturation Point) پر پہنچ چکی ہے۔" کی تائید نوجوان شاعر شہاب اختر نے کی ہے۔ شب خون کے شمارہ۔۲۲۶ میں زاہد جعفری نے لکھا ہے کہ صفحہ۔۵۷ پر کسی شہاب اختر کی غزل 'اس سے پہلے رسالہ "آج کل" اور "نیا دور" میں چھپ چکی ہے۔ لگتا ہے کہ یہ نوجوان شاعر چند محدود غزلیں کہہ کر خود اپنے نقطہ سیری (Saturation Point) پر پہنچ گیا ہے نہ کی غزل

غلام راھی

آپ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں

بڑی خوشی ہوئی کہ آپ اور عبید اعظمی صاحب نے اس بحرانی دور میں اردو کا ایک ماہنامہ "اردو چینل" کے نام سے نکالنے کی ہمت کی۔ ماضی میں بھی بستی اور اعظم گڈھ کے کافی حضرات نے قوم کی خدمت کو اپنا نصب العین بنایا اور کامیاب بھی ہوئے۔ آپ حضرات کا کام قابل ستائش ہے۔ اور لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

محمد علی صدیقی

ماہنامہ "ادبی اردو چینل" نہایت عمدہ اور معیاری رسالہ ہے۔"

خواجہ جاوید اختر

"اُردو چینل" کا فروری تا مارچ کا شمارہ ملا۔ اس رسالے کا ذائقہ الگ لگا۔ مباحث اور مضامین فکرانگیز ہے۔

مناظر عاشق ہرگانوی

آپ لوگوں کے ارادے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے ہیں اس مختصر رسالے کی ادارت سے میں متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکا۔ اردو غزل ایک بحث کے بارے میں عرض ہے کہ قمر صدیقی صاحب نے عالمانہ طریقے سے غزل پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجروح صاحب، اختر الایمان صاحب اور شہاب اختر صاحب کے بیانات بھی قلمبند کیے ہیں۔ اس کے باوجود یہ تشنہ اور بحث طلب ہے۔ یہ سلسلہ جاری رکھیے

What is Life?

by Qamar Siddiqui

What is Life?
But play of the elements
Fir, Air, Water and Soil
Breath linked with breath in chain
Just a coming together
For a moment or two
For a year, month or few days
In a wish to touch the leaping
flames
Let's snap our relations with
breath
or else
The ocean of Cool, turquoise
water
Rolling, Wave after wave
Should suck us in its vortex
or else
The whisper of heady air
calls us unto it
or else
We are infatuated by
Raw soils sweet lingering smell
What is Life?
But a play of the element's
Fire, Air, Water and Soil

Translation from the Urdu by
Mohammad Osmann

جیون کیا ہے؟

قمر صدیقی

جیون کیا ہے؟
آگ، ہوا، پانی اور مٹی
ان چیزوں کا کھیل ہے سارا
سانسوں سے سانسوں کا رشتہ
پل دو پل کا
میل ہے سارا
جیون کیا ہے
آگ کی لپٹیں چھو لینے کی خواہش میں ہم
سانس سے رشتہ توڑ لیں اپنا
یا
ٹھنڈے ٹھنڈے نیلے جل کا
لہر لہریہ بہتا ساگر
اپنی اور بلائے ہم کو
یا
مست ہوا کی سرگوشی
اپنی سمت بلائے ہم کو
یا پھر
ہم عاشق ہو جائیں
کچی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو پر
جیون کیا ہے
آگ، ہوا، پانی اور مٹی
ان چیزوں کا کھیل ہے سارا

LITERARY MAGAZINE ADBI *URDU CHANNEL* MONTHLY

JULY - 1999

7/3121 GAJANAN COLONY, GOVANDI, MUMBAI-43.

शीघ्र ही मुंबई से प्रकाशित हो रहा है...

हमारी

पवित्र भूमि

1 रु.

(हिंदी साप्ताहिक)

हर तरफ नजर,

हर तरफ की खबर

नगर-डगर, देश-विदेश,
सिनेमा संसार की खबरें, मनोरंजन,
इनामी प्रतियोगिता.

और भी बहुत कुछ...

पढ़ते रहिए... हर सप्ताह...

मुल्य-1रु. **पृष्ठ-8**